مقالات مولانا شہودی

(حضرت مولانا محمد انوار الحق شہودیؒ کے مطبوعہ مضامین کا انتخاب)

ترتیب وتزئین

فرد الحسن فردؔ

مقالات مولانا شہودی

(حضرت مولانا محمد انوار الحق "شہودی کے مطبوعہ مضامین کا انتخاب)

ترتیب وتزئین

فرد الحسن فرد

By Maulana Muhammad Anwarul Haque Shuhoodi
(Nazish Sahsarami)

on : Fardul Hassan Fard

: ERAM PUBLISHING HOUSE
Near Langertoli, Patna - 800004

: Eram Printers, Daryapur, Patna-4

: Rs. 100/-

f Publication : 500

: 978-81-925813-3-0

نام کتاب : مقالاتِ مولانا شہودی"
(حضرت مولانا محمد حافظ انوارالحق شہودی نازش سہسرامی کے مطبوعہ مضامین

ترتیب وتزئین : فردالحسن فردؔ

ناشر : ارم پبلشنگ ہاؤس، پٹنہ-۴

طابع : ارم پرنٹرس، دریاپور، پٹنہ-۴

صفحہ : ۱۲۸

قیمت : ۱۰۰/روپے

سن اشاعت : 2013ء

تعداد اشاعت : 500

کمپوزنگ : سید شہاب احمد منعمی، منعمی کمپیوٹر، دریاپور، پٹنہ-۴

انتساب

نانا جان!

(حضرت مولانا انوارالحق شہودی نازشؔ سہسرامی)

آپ کے نام

یہ جانتے ہوئے

زعشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی ست
بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روے زیبارا
(صائب)

فرد الحسن فردؔ

اشاریہ

حضرت مولانا شہودیؒ

علم وروحانیت کے امتزاج کا ایک خوبصورت نمونہ

فرد الحسن فردؔ

جناب شاہینؔ سہسرامی کے یہ اشعار مجھے بار بار یاد آتے ہیں:

کتنے عالی مقام تھے حضرت
نازشِ سہسرام تھے حضرت
ان کو زیبا ہے گر کہو شاہینؔ
عصرِ نو کے امام تھے حضرت

میرے خیال میں یہ آواز صرف شاہینؔ سہسرامی کی نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کی ہے، ے حضرت مولانا انوارالحق شہودی نازشؔ سہسرامی کو دیکھنے، سننے اور پڑھنے کا موقع ملا۔

میری خوش نصیبی یہ رہی کہ مجھے نہ صرف یہ کہ حضرت مولانا شہودیؒ کو دیکھنے، سننے

اور پڑھنے کا شرف حاصل ہے بلکہ حضرت کی محبتوں، شفقتوں اور عنایتون کا یہ دل گواہ بھی ہے۔ وہ رشتے میں میرے نانا تھے اور مجھے بے حد عزیز رکھتے تھے اور میں بھی ان سے ملے بغیر زیادہ دنوں تک چین سے نہیں رہ پاتا اور شاید یہی ایک وجہ رہی کہ ہفتے عشرے میں گیا کالج گیا سے اکثر تنہا ہوا نانا کی قدم بوسی کو نیو کریم گنج (گیا) حاضر ہو جاتا۔

موصوف کے نام سے آشنائی اس وقت ہوئی جب واسع پور دھنباد میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم الشان جلسے کا اناؤنسمنٹ ہو رہا تھا اور شرکاء میں شامل ناموں کی فہرست کے اعلانیے میں ایک نام پر امی چونکیں اور خوش ہوئی تھیں۔ اناؤنسمنٹ کا یہ سلسلہ ہفتوں رہا اور جب جب ہمارے محلے میں رکشا داخل ہوتا تو ہم لوگ خاموشی سے نانا محترم کے نام کا انتظار کرتے۔ اس بیچ میں بھائی بہنوں میں سے کسی نے بھی خاموشی توڑی تو امی کی ڈانٹ پڑتی۔ آخر وہ دن بھی آ گیا اور میں اپنے والد محترم کے ساتھ جلسہ گاہ بھی گیا لیکن ۷-۸ برس کی عمر نے زیادہ دیر تک جگنے نہیں رہنے دیا۔

اس روئے روشن کا پہلا دیدار اس وقت نصیب ہوا جب میں کافی بیمار پڑ گیا تھا اور دوائیں بے سود ثابت ہو رہی تھیں۔ میری امّی نے مجھے میرے خالہ زاد بھائی کے ساتھ نانا جان کے پاس بھیجا۔ وہ میرے پہنچنے پر بہت خوش ہوئے اور ان کی شفقت نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ انہیں کی دعاؤں، ترکیبوں اور دیئے گئے فلیتوں کو جلانے کے طفیل میں صحت یاب ہوا اور عقیدت مندی کی ایک لہر رفتہ رفتہ پروان چڑھنے لگی اور آج بھی ان کا متبسم چہرہ مجھے یاد آتا ہے۔ مجھے آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ مجھے کیوں اس قدر عزیز رکھتے تھے۔

حضرت مولانا شہودیؒ سے فیضیاب ہونے کا ایک طویل سلسلہ ان کی زندگی تک قائم رہا اور ان کی باتیں اور یادیں آج بھی دل کو تابنا کی عطا کرتی ہیں۔ اگر ان باتوں کو سمیٹا

جائے اور حضرت مولانا کے اقوال پر نگاہ ڈالی جائے تو ان کی حیثیت ایک منارۂ نور کے طور پر سامنے آئے گی لیکن ایک احساس ہر وقت مانع رہا۔ ان کے انتقال کے بعد مشاہیر نے تعزیتی پیغامات میں ان کی بزرگی و بڑائی کا ذکر کیا تو دوسری طرف معتبر و مستند ناقدوں نے ان کی ادبی خدمات پر مقالے لکھے جو مختلف اخبار و رسائل کی زینت بھی بنے اور حضرت نازش کی علمی وسعتوں کے گواہ بھی لیکن شاید وہ کیفیات صفحۂ قرطاس تک آج بھی نہیں آسکیں جو موصوف سے ملاقات کے بعد ملاقات کرنے والے پر مرتسم ہوتی تھیں۔ میں کم علم آدمی صرف تماشائی بنا رہا اور آج بھی یہ احساس باقی ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ اُن ہی احساسات کو کسی حد تک قلم کے حوالے کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

گزشتہ سال ''عرسِ وصی الاولیاء'' کے موقع پر ہی ''حضرت نازش سہسرامی کے سو اشعار نامی کتاب منظر عام پر آچکی ہے جو حضرت مولانا شہودی کی بہترین شعری صلاحیت کا خوب صورت نمونہ ہے اور اب اِس سال ۲۰۱۳ء مطابق ۱۴۳۴ھ کے عرس وصی الاولیا، یا یوں کہا جائے کہ عرسِ اصدقی و شہودی (کیونکہ یہ عرس حضرت وصی الحق مسکین اصدقی اور حضرت مولانا انوار الحق شہودی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا ہے) کے موقع پر ''مقالاتِ مولانا شہودی'' کا اہتمام کیا گیا ہے تو بہتر ہے کہ اس کتاب کے حوالے سے حضرت کی روحانی شخصیت اور نثری خصوصیت کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے۔

جہاں تک روحانی شخصیت کا سوال ہے، راقم الحروف تو خیر اُن کے روحانی فضل و کمال کا شاہد اور قائل دونوں ہے ہی مگر حضرت مولانا شہودی تو ایک ایسی ذات بابرکات کی علامت ہیں، جن کی بزرگی اور تقدس کا تقریباً پورے بہار نے اعتراف کیا، شاید اسی لئے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم سابق امیر شریعت امارتِ شرعیہ بہار نے اُن کی شخصیت کے معروف و مشہور ہونے کا اظہار و اعتراف کیا تو ڈاکٹر محمد مطیع الرحمن مرحوم سابق

صدر شعبہ اردو متھلا یونیورسیٹی دربھنگہ نے اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے لکھا کہ: ''اُن کے علم میں گہرائی تھی، دین کی خدمت کا بے پناہ جذبہ تھا اور عشقِ رسول ﷺ سے سرشار تھے''۔ حضرت مولانا احتشام الدین فریدی مرحوم سابق سجادہ نشیں خانقاہ فریدیہ (مدفون درکوڈرما، جھارکھنڈ) نے لکھا کہ: ''حضرت کو قرآن کے معانی ومفاہیم پر عبور حاصل تھا''۔ حضرت مولانا رکن الدین اصدق چیف ایڈیٹر ''جامِ شہود'' وبانی مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف بہار شریف نے لکھا کہ: ''وہ ایک بلند پایہ عالم اور تقویٰ شعار بزرگ تھے۔ اُن کے وصال سے جو خلا پیدا ہوا اُس کا پُر ہونا ممکن نہیں''۔ حضرت مولانا پروفیسر شاہ طلحہ رضوی برق سجادہ نشیں، خانقاہ چشتیہ، داناپور سابق صدر شعبۂ اردو فارسی، ویرکنور سنگھ یونیورسیٹی آرہ نے لکھا کہ وہ: صوفیِ صافی عالم وشاعر، رشکِ دردؔ وغیرتِ آتشؔ تھے''۔ مذکورہ بالا علماء اور سجادگان کے علاوہ معاصر دانشوروں نے بھی اُن کی روحانی اور علمی شخصیت کا اعتراف کیا۔ پروفیسر ابوذر عثمانی سابق صدر ونوبا بھاوے یونیورسٹی، ہزاری باغ نے خیال ظاہر کیا کہ: حضرت محترم کی بزرگی تقدس اور روحانیت کا مجھ پر خاصا اثر ہے۔'' مشہور شاعر پروفیسر حفیظ بنارسی مرحوم نے فرمایا کہ ''مولانا مرحوم کی شخصیت کئی جہت سے اپنی مثال آپ تھی۔ اُن کی رحلت سے علمی وادبی دنیا میں بھی ایک زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے۔'' مشہور افسانہ نگار جناب احمد یوسف مرحوم نے اپنا تاثر کچھ یوں ظاہر کیا کہ: ''علم وفضل کا دریا تھے، مجسّم اخلاص و مروّت۔ کہتے ہیں ہیں ''موت العالِم موت العالَم'' صاحب دل تھے اور ایک زمانے کو روشنی پہنچا رہے تھے۔'' اور یقیناً اسی لئے ڈاکٹر زین رامش اِس نتیجے پر پہنچے کہ:

''یہ بات بالا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت مولانا انوار الحق شہودی نازش سہسرامی ایک بلند پایہ عالم، ایک بے مثال مقرر، ایک قابلِ تقلید مجاہد وطن، ایک تقویٰ شعار صوفی، ایک عالی مرتبت نثر نگار اور ایک

منفرد و معتبر شاعر تھے‘‘۔

حضرت مولانا شہودی کی عالمانہ خصوصیت کے ذکر پر ایک تحریر اور ایک واقعہ یاد آرہا ہے(۱) تحریر حضرت مولانا انوار الحق شہودی کی ہے اور کتاب حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی کی۔ کتاب رویتِ ہلال کے سلسلے میں شائع ہوئی تھی اور اُس پر بیرونی و مقامی علماء کے تاثرات درج نہیں، جس میں ایک تاثر مولانا شہودی کا بھی ہے اور یہ بزبانِ عربی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ’’ کتاب قابلِ قدر اور مصنف قابلِ مبارک باد ہیں مگر مسئلے پر نئے سرے سے غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔‘‘ اور ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ جب ایک سال اہلِ سہسرام عید کا چاند ہونے کے سلسلے میں اختلاف کا شکار ہوئے اور کئی محلوں کے لوگ حضرت مولانا شہودی کے پاس رہنمائی کے لئے پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ’’ یہ وقت انفرادی طور پر کوئی فتویٰ نما رائے ظاہر کر کے مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کا نہیں ہے۔شہر کے علماء کو ایک جگہ بیٹھ کر کوئی فیصلہ کرنے دیجئے۔‘‘ اور یہ رائے انہوں نے اُس وقت دی جب اُس سے ایک سال پہلے شہر کے علماء کا جو وفد شہادت حاصل کرنے پھلواری شریف گیا اُس میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ سے حضرت مولانا انوار الحق شہودی اور مدرسہ خیریہ نظامیہ سے حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی شامل وفد تھے۔

معلوم ہوا کہ شہر میں بحیثیت عالم اُن کی شخصیت محترم بھی تھی اور متفق علیہ بھی اِس کے باوجود اُنہوں نے کبھی بھی شرعی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ہمیشہ’’ زعمِ عالمانہ‘‘ کے بجائے’’ احتیاطِ عالمانہ‘‘ کا نمونہ پیش کیا۔

مقرر کے ذکر میں عرض کیا جا چکا کہ دھنباد میں ہم لوگ نانا جان کا اسمِ گرامی سننے کے لئے خموش رہا کرتے تھے۔ گیا میں بھی ہونے والے اُس جلسے کا ذکر ضروری ہے جس میں حضرت مولانا شہودی کے ساتھ حضرت مولانا اسمٰعیل روحی بھی شریکِ محفل تھے۔ اس

کے علاوہ شیر گھاٹی، اورنگ آباد، ڈہری، سہسرام، تیلوتھو، بنارس درجنوں مقامات کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ جہاں اُس زمانے میں ہونے والے سیرت کے جلسوں کے اشتہارات میں حضرت کا نام نامی نمایاں رہتا تھا۔

وہ دائرہ حضرت وصی کے سجادہ تھے، ایک محترم اور تقویٰ شعار صوفی بزرگ تھے، تصوف کی مُنہیات سے اور اُس کے ظاہر و باطن سے آگاہ تھے۔ تصوف سے متعلق حضرت کی دو کتابیں (۱) تصوف و رہبانیت ایک مطالعہ اور (۲) اسلام کا روحانی نظام، منظر عام پر آچکی ہیں اور غیر مطبوعہ کتابوں میں (۱) ذکر مرشد، (۲) افاداتِ شہودیہ اور (۳) تذکرہ بزرگانِ چشت کا منظر عام پر آنا باقی ہے۔

مذکورہ بالا ذکر تو تصوف کے حوالے سے حضرت کی تصنیفی خدمات کا ذکر ہوا۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو اس خدمتِ تصوف کا دو رخ ہے جس کا خوب صورت نمونہ حضرت کی ذاتِ گرامی میں نظر آتا ہے۔

پہلا رخ اپنے آپ پر محنت کا ہے۔

اس رخ پر گفتگو سے پہلے میں اپنے خالو جان اور حضرت مولانا محمد انوار الحق شہودی کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر اظہار الحق آصف سہسرامی کا ایک بیان درج کرنا چاہتا ہوں جو اُنہوں نے شیر گھاٹی میں میرے والد سے دورانِ گفتگو دیا تھا۔ نانا حضرت مولانا شہودی کے انتقال کا ذکر چل رہا تھا تو خالو جان نے بتایا کہ اُن کے انتقال کے وقت اُن کے دادا حضرت مولانا شاہ وحید الحق وحید اصدقی کے اپنے ماموں زاد بھائی شاہ فصیح الدین صاحب مرحوم ولد جناب شاہ عبدالکریم صاحب مرحوم حیات تھے اور فصیح دادا بار بار ایک ہی جملہ دُہرا رہے تھے...... "بیٹا! بہت محنت کی تم نے ...... بیٹا بہت محنت کی تم نے"۔

بات آئی گئی ہوگئی مگر ابھی یہ بات یاد آگئی اور اب سمجھ میں آرہا ہے کہ حضرت

مولانا شہودی کی کس محنت کا ذکر فصیح دادا بار بار کر رہے تھے۔

جس نے بھی ذرا نزدیک سے دیکھا ہے وہ اس بات کا قائل ہے کہ اُنہوں نے بہت محتاط زندگی گزاری، اُن کے معاصرین میں بھی طرح طرح کے شاہ صاحبان موجود تھے مگر حضرت مولانا نے تصوف کو کبھی پیشہ نہیں بنایا، جب حضرت مولانا کے والد و مرشد حضرت مولانا حافظ شاہ وصی الحق مسکین اصدقی ﷫ کا انتقال ہوا تو اُن کی عزت و کرامت اپنے نقطۂ عروج پر تھی، حضرت وصی اولیاء کے جنازے میں حاکم شہر شریک تھا اور رو رو کر بہ آوازِ بلند کہتا تھا: ''حق صاحب میرے لئے بھگوان تھے''۔ جنازے کے جلوس میں ایسا اژدھام ہوا کہ سڑکیں جام ہو گئیں، اگر حضرت مولانا شہودی چاہتے تو اس Link سے دنیوی فائدہ اُٹھا سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنا رخ خدا کی طرف ہی رکھا اور مستقل مزاجی اور صبر کے ساتھ صراطِ مستقیم پر گامزن رہے، نہ جھاڑ پھونک کا بازار گرم کیا، نہ مرید سازی کے لئے کبھی کوشاں رہے، نہ کبھی عالمانہ شان دکھائی نہ بحیثیت حافظ تراویح کے لئے کوئی معاہدہ کیا، نہ کسی خوف یا لالچ کے تحت کسی کی غلط بات کو کبھی برداشت کیا۔

تقویٰ شعاری کا جیسا نمونہ حضرت مولانا شہودی کی ذاتِ گرامی میں ملتا ہے۔ میرے ناقصِ مشاہدے کے مطابق آج اُس کی دوسری مثال شاید مشکل سے ملے۔ تصوف میں دوسری محنت اپنے منسلکین پر کی جاتی ہے، حضرت مولانا شہودی نے یہ محنت بھی خوب کی۔ اولاد تو اولاد ہی ہوتی ہے، عزیزوں رشتہ داروں اور مریدین و معتقدین میں سے بھی جو اُن سے منسلک رہا، اُس کو صحیح راہ دکھانے کے لئے حضرت نے محنت بھی کی اور منسلک نے اس کا اثر بھی قبول کیا، اس کا ثبوت وہ پچاسوں خطوط ہیں جو دائرہ حضرت وصی میں محفوظ و دستیاب ہیں۔ مگر تشنہ اشاعت ہیں۔

اور جہاں تک بات نثر کی ہے۔ حضرت مولانا کی نثر کے بارے میں ایک عام

رائے یہ ہے کہ اُن کی نثر ابوالکلامی نثر کی توسیع ہے۔ یہ تفصیلی تقابلی مطالعہ (Comperative study in detail) مانگتا ہے جس کا اِس وقت یہاں موقع نہیں ہے۔ مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ اردو نثر کا جو اُسلوب بعض ناقدوں کے مطابق ''اُسلوب جلیل'' کہا جاتا ہے اور جس میں لہجے کی شان وشکوہ بہت نمایاں رہتی ہے وہ بہر حال حضرت مولانا شہودی کے اُسلوب کا ''تعارفی عنوان'' ضرور بن سکتا ہے۔

یہ اُسلوبِ جلیل کلمۃ الحقائق سے طلسمِ ہوش ربا تک اور طلسمِ ہوش ربا کے بعد علامہ شبلی نعمانی، مجنوں گورکھپوری، نیاز فتح پوری، سجاد حیدر یلدرم اور رشید احمد صدیقی وغیرہ کی تحریروں میں بھی کسی نہ کسی سطح پر ضرور دستیاب ہے۔ لہٰذا باطمینان یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابوالکلامی نثر اردو نثر کے تناظر میں کوئی اجنبی پودا نہیں ہے بلکہ پرشکوہ اسلوب کا یہ ایک ایسا سفر ہے جو کلمۃ الحقائق اور سب رس وغیرہ کو متاثر کرتا ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد تک پہنچتا ہے اور پھر بہار کے پس منظر میں سلطان احمد مولانا انوارالحق شہودی اور پھر بعد میں قیوم خضر تک پہنچتا نظر آتا ہے۔

اُن کی نثر پر شکوہ نثر ہے، عالی شان نثر ہے، رمز وایما اور تشبیہ واستعارہ سے پر نثر ہے یہ خالص ادبی نثر ہے، اخباری نثر نہیں ہے، عوامی نثر نہیں ہے، میرے لئے بھی یہ بہت آسان نثر نہیں ہے جیسے غالب کی شاعری محمد حسین آزاد کے حلق سے نہیں اُتر پاتی تھی اُسی طرح حضرت مولانا شہودی کی نثر بھی آپ سے تقاضہ کرتی ہے کہ آپ اپنی علمی اور لسانی سطح کچھ اور بلند کرلیں تب ہی حضرت مولانا شہودی کی نثر سے بھرپور استفادہ ممکن ہے۔

رہی بات اُن کی شاعری کی، اس وقت اس کا موقع نہیں ہے ورنہ ڈاکٹر طیب ابدالی، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، ناوک حمزہ پوری، ڈاکٹر افصح ظفر، ڈاکٹر عنوان چشتی، ڈاکٹر علیم اللہ حالی، ناظم میواتی، ڈاکٹر شین اختر، ڈاکٹر محمد مثنیٰ رضوی، شاہین سہسرامی، ڈاکٹر شفق، ڈاکٹر حسین الحق، ڈاکٹر جاوید حیات، ڈاکٹر عین تابش، ڈاکٹر قاسم فریدی، ڈاکٹر زین رامش، ڈاکٹر

اسلام عشرت وغیرہ پچاسوں افراد کے مضامین تبصرے اور تاثرات حاضر کئے جا سکتے تھے۔

جب حضرت مولانا محمد انوار الحق شہودی نازش سہرامی کا کوئی اگلا شعری مجموعہ شائع ہوگا تو مذکورہ بالا حضرات کے مضامین و تاثرات کی یک جائی مناسب ہوگی۔ مگر اتنا تو ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اگر نثر نگار شاعر بھی ہو تو اس کے قلم سے نکلنے والا ایک ایک جملہ دل کے نہاں خانوں پر چوٹ کرتا ہے اور احساس ذمہ داری کے دروازے واہونے لگتے ہیں۔ حضرت مولانا شہودیؒ کی نثر میں ان کیفیات کو محسوس کیا جا سکتا ہے اور یہ اثرات بقول مختلف اہل قلم مولانا ابوالکلام آزاد کے اثرات ہیں کیونکہ وہ مولانا کے مداحوں میں تھے اور وہ مولانا آزاد اور ان کے سیکولر اور وطن دوست نظریات کی حمایت میں مسلمانوں کو مسلسل سمجھانے کی کوشش میں مصروف دیکھے گئے تھے۔ بجا، مگر اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت نازش نے جس عہد میں لکھنا پڑھنا شروع کیا اس میں بیشک مولانا ابوالکلام آزاد کی اپنی انفرادی حیثیت تھی لیکن اسی عہد میں دوسرے کئی علماء بھی اپنے اپنے انداز سے علمی گفتگو میں پیش پیش تھے۔ ان میں مولانا شاہ اعز الدین قادری، مولانا شاہ غلام حسنین، مولانا تمنا عمادی مجیبی، مولانا عثمان غنی، مولانا شاہ عون احمد قادری، مولانا شاہ امان اللہ قادری، مولانا تسنیم جنیدی، مولانا جمال الحق، مولانا نظام الدین، مولانا شفیع اللہ سہرامی، وغیرہ کے نام بے ساختہ ذہن میں آرہے ہیں۔ مختلف رسالوں میں حضرت مولانا انوار الحق شہودیؒ اور اس عہد کے مذکورہ علما میں حد فاصل قائم کرنا اس لئے آسان ہے کہ موضوعاتی سطح پر اور فکری سطح پر حضرت مولانا شہودیؒ کی انفرادیت نمایاں نظر آتی ہے۔ میں تفصیل میں جانا پسند نہیں کرتا اور خود کو اس کا اہل بھی نہیں جانتا اس لئے صرف اتنا عرض ہے کہ خانوادۂ قاضی علی حق کی جانب سے ان کے چار رسالے ''شرف آدم کا نقطۂ عروج''، ''وحدت الٰہ'' اور ''تصوف و رہبانیت کی حقیقت'' اور اسلام کا روحانی نظام منظر عام پر آچکے

ہیں۔ اہل علم ان کے اسلوب سے اچھی طرح واقف ہیں۔

مجھے اس سلسلے میں بس اتنا عرض کرنا ہے کہ میں نے حضرت مولانا شہودیؒ کے ویسے مضامین کا انتخاب کیا ہے جو رسائل میں شائع شدہ ہیں۔ گذشتہ برس ''حضرت نازشؔ کے منتخب اشعار'' کی اجراء کے موقع پر بھی یہ بات میں نے کہی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ خدا بخش لائبریری میں المجیب و دیگر رسائل کی فائلوں کو الٹتے ہوئے کئی رسالوں میں حضرت نازشؔ کے مضامین مل گئے۔ ان مضامین کو پڑھتے ہوئے یہ بات شدت سے محسوس ہوئی کہ ان مضامین کی آج بھی ضرورت ہے۔ فرد، خاندان اور سماج جس انتشار کا شکار ہے اس کے سدباب کے لئے حضرت نازشؔ کے یہ مضامین ایسی راہ ہموار کرتے ہیں جس پر اگر عمل کیا جائے اور خود احتسابی کے مرحلے سے خود کو گزارنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً کامیابی و کامرانی ہمارا مقدر بن سکتی ہے اور ہم رسوائی سے یہاں بھی اور وہاں بھی بچ سکتے ہیں۔

ان مضامین کی یکجائی کا اولین مقصد یہی ہے اور دوسرے اُس عظیم شخصیت کو سلام پیش کرنا ہے جس کی رہنمائی اور دعاؤں نے میری راہ روشن کی۔ حضرت نازشؔ کے مضامین بے کم و کاست اس یقین کے ساتھ پیش خدمت ہیں کہ اس کا مطالعہ حضرت نازشؔ کی وسعت مطالعہ اور گہری فکر کا پتہ بھی دے گا اور پڑھنے والے یہ محسوس کریں گے ؂ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت نازشؔ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں جو راہیں متعین کی ہیں اسے مشن بنایا جائے اور اپنی زندگی میں برتنے کی کوشش کی جائے تو شاید مغربیت کا غلبہ جو ہم پر، خاندان اور سماج پر بڑھتا جا رہا ہے اس میں کمی واقع ہو اور اپنی انفرادی شان سے جینے کی راہ اللہ رب العزت آسان کر دے۔

وما علینا الا البلاغ۔

عزم الحق

حضرت مولانا شہودیؒ : بیک نظر

کنیت : ابوالوفاء
نام : محمد انوار الحق
قلمی نام : محمد انوار الحق شہودی
تخلص : اولاً ثمرؔ بعدہٗ نازشؔ
ادبی نام : نازشؔ سہرامی
پیدائش : ۲۱/ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ فروری ۱۹۱۵ء
نسب : قطبی الحسنی الحسینی (مراد: حضرت قطب الدین کڑوی مانک پوری)
نسبت : چشتی، قادری
جدی وطن : آمدادری [نزد ساگرپالی ریلوے اسٹیشن، بلیا (یوپی)]

آبائی وطن : محلہ شاہ ہارون (برحلہ) سہسرام (بہار)

ابتدائی تعلیم : مدرسہ خیریہ نظامیہ (تکمیل حفظ)

تعلیم کے : (i) جامعہ نعیمیہ مراد آباد

درمیانی مراحل (ii) مدرسہ سبحانیہ، الہ آباد

سند فراغت : مدرسہ فیض الغربا، آرا

بیعتِ طریقت : (اپنے والد محترم) حضرت شاہ وصی الحق مسکینؔ اصدقی فخری چشتی قادری سے۔

سجادہ : دائرہ حضرت وصیؒ، سہسرام

شاعری کی ابتدا : ۱۹۳۰ء

تلمیذ : جگرؔ مرادآبادی

پہلی مطبوعہ نثری تحریر : ''اخوت کا آفاقی پیغام'' مطبوعہ (بجنور)، اپریل ۱۹۵۰ء

ملازمت : مدرس فارسی وعلوم دینیہ، مدرسہ خانقاہ کبیریہ، سہسرام

شادی : محترمہ شوکت آرا خاتون (بنت حضرت سید خیرالدین احمد ترمذی، خیرؔ سہسرامی)

اولاد : (i) حسین الحق (ii) عین تابش

انتقال : ۳۰/دسمبر ۱۹۸۳ء/ربیع الاول ۱۴۰۴ھ

تدفین : ۳۱/دسمبر ۱۹۸۳ء ۱/بجے دن

مدفن : درگاہ حضرت مخدوم محمد صالحؒ، سہسرام

خدمات : (i) سجادہ نشیں، دائرہ حضرت وصیؒ، سہسرام

[illegible]

[illegible]

خدمات : (i) سجادہ نشیں، دائرہ حضرت وصیؒ، سہسرام

(ii) بانی وسرپرست: قاضی علی حق اکیڈمی، سہسرام

(iii) نائب صدر، مجلس فکر واصلاح، سہسرام

(iv) ناظم جمعیۃ العلماء، ضلع شاہ آباد (قبل از ۱۹۷۴ء)

(v) رکن مجلس مشاورت: مدرسہ خیریہ نظامیہ، سہسرام

معروف : (الف) بحیثیت مقرر (ب) بحیثیت نثر نگار

(ج) بحیثیت شاعر (د) بحیثیت استاد

مطبوعہ کتابیں : آٹھ

شعری : (i) حرف تمنّا، ۱۹۸۴ء (ii) حریم شوق، ۱۹۹۶ء

(iii) نازش سہسرامی کے سو اشعار ۲۰۱۲ء

نثری : (i) شرفِ آدم کا نقطۂ عروج، ۱۹۸۴ء

(ii) وحدت الٰہ ۱۹۸۸ء

(iii) تصوف و رہبانیت کی حقیقت ۱۹۹۹ء

(iv) مقالات مولانا شہودی (مجموعہ مضامین) ۲۰۱۳ء

اسلام کا روحانی نظام

زیر ترتیب

تلاش منزل : (مجموعۂ مضامین)

قطعات نازش : (انتخاب قطعات نازش)

جدوجہد نبویؐ : ایک نظر میں

غیر مطبوعہ کتابیں : تقریباً ۳۰ (نثری وشعری)

مضامین مولانا شہودیؒ

امت مسلمہ اور اُس کے دینی فرائض

قوموں اور ملتوں کی تاریخ میں اَن گنت تصورات زندگی کے دُھندلے خاکے اور نقشے متلاشی نظروں کے لئے تفنن کا سامان مہیا کرتے ہیں اور وقت کا ہر طالب تحقیق سے بقدر استعداد و ذوق استفادہ حاصل کرتا ہے -- ان تاثرات کی تمام تر بنیاد ان کے ذہنی اور اعتقادی ماحول پر ہوتی ہے۔ الٰہیات کا ہر معلم اور اخلاقیات و روحانیت کا ہر مبلغ جب کبھی انسانی ٹولیوں کی اصلاحِ اخلاق و اعمال کا کوئی نصب العین اور دستور لے کر آیا ہے تو یقیناً اُسے ان اثرات اور حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

انسان مزاجی طور پر ہمیشہ اپنے کسی نہ کسی خیالی یا اعتقادی مفروضہ گھروندے میں سانس لینے کا خوگر رہا ہے۔ اور کوئی زمانہ کوئی دور اس کی اس جبلی نقاشی سے خالی نہیں ملتا۔

یہی وجہ ہے کہ اولِ اول جب کچھ اس کے سامنے نہ تھا تو بادلوں کا گڑ گڑانا اور پتوں کا کھڑکھڑانا بھی اس کے احساسات طبعی پر ایک خاص رنگ واثر پیدا کرتا تھا۔ اندرون حیات کی یہ پوشیدہ تحریک وچپقلش دراصل اس کی افتادِ طبع کا پتہ بتا رہی تھی کہ انسان فطری طور پر اپنے لاأبالی پن میں گرفتار ہے اور کبھی حقائق پر استقلال کے ساتھ اس کی نگاہیں جمتی نہیں۔ قرآن کریم نے انسان کے اسی گوشۂ اضطراب کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

بل الانسان علی نفسہٖ بصیرۃ

یعنی انسان بذات خود ایک مستقل بصیرت ہے۔

سامی نسلوں سے ابتدائے سلسلۂ نبوت تک نسل انسانی ہر چند حقائق ومعارف کی روشنی سے بے بہرہ تھی لیکن اس کے دل کی آواز ہمیشہ اس کو چونکاتی رہی اور نتیجتاً وہ اپنے آپ کو مبہوت ودرماندہ سمجھتا رہا۔ اور کوئی نشاندہی نہ کرسکا۔ حالانکہ احساسات کی یہ پیہم زد اپنی حالت پر رہی۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی پے در پے تشریف آوری نے اس نشان دہی کا رُخ متعین فرما دیا۔ اور اب اس کے سامنے اس کے احساسات نہیں، فرائض بھی متحرک تھے۔۔ یہ انسانی زندگی کا دوسرا دور تھا۔۔ مگر پہلے سے حسین اور رنگین۔ چنانچہ اس سلسلہ کی بابرکت نمایاں کڑیاں عہد ابراہیمی اور آثار موسوی کی صورت میں نسل انسانی کی ہدایت وسعادت کا واضح اور بلند نصب العین لے کر اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ جلوہ طراز ہوتی نظر آتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور نمرود کی سرکشی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعلان حریت وجہاد حق اور فرعون کی مقابلہ آرائیاں۔ بنی اسرائیل کی مظلومیت ومحکومیت اور مٹھی بھر نوجوانان بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہنا۔

كَمَا قِيلَ فِي كِتَابِ اللهِ الْحَكِيمُ فَمَنْ اٰمَنَ لِمُوْسٰى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

(یعنی حضرت موسیٰ پر سوا مٹھی بھر نوجوانان بنی اسرائیل کے کچھ زیادہ لوگ شروع شروع ایمان نہ لائے)۔

سلسلۂ نبوت وارشاد کی یہ عظیم وجلیل کڑیاں جنہیں ہم عہد براہیمی اور جہاد موسوی سے تعبیر کرتے ہیں، دراصل مقاصد وفرائض کا ایک نہ ختم ہونے والا تسلسل قائم کرتی ہیں جن کی برکتیں نسل انسانی کی خوش نصیبیوں اور عقدہ کشائیوں کا اِفتتاح کرتی ہیں۔ مقاصد کی تحصیل کی بے پناہ تڑپ اور فرائض کی تعمیل کا حسین رنگ وروغن بتارہا ہے کہ آگے چل کر نسل انسانی کی خوش نصیبیوں کا کوئی عظیم اور بابرکت عالمگیر منصوبہ عملی طور پر ظہور میں آنے والا ہے۔ دیکھنے والی آنکھیں اور جاننے والے حساس دلوں کی تلاش وجستجو کو یہیں منزل مقصود کا نشان وپتہ ہاتھ آجاتا ہے۔ عظمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدوسی برکتوں کا یہی افتتاح چھٹی صدی عیسوی کی عالم آشوب تباہ کاریوں میں اسلام اور داعی اسلام کے وجود میں جلوہ آرا ہوکر دنیا کو امن وسعادت کی خوش بختیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ نمرود نے حضرت ابراہیم کی دعوت کے استیصال کے لئے آگ کا میدان سلگایا اور خود اُس کی طاغوطیت اس آگ کی نذر ہوکر رہ گئی۔ حضرت ابراہیم کے بلند مقاصد کی والہانہ شیفتگی اور فرائض کی تعمیل کی بے تابانہ لگن خدا کی زمین پر بیت اللہ کی حقیقی شکل وصورت میں ڈھل کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گہوارۂ رحمت الٰہیہ کا مرکز بن گئی اور نمرود کی طاقت وقوت کا عفریت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چاہ بابل ونینوا کے بھیانک اندھیروں میں ڈوب کررہ گیا۔

قرآن کریم نے حضرت ابراہیم کے اس مقصد جلیل کی عظمت اور تعمیل فرض کی والہانہ شیفتگی کا حسین نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ

إِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۝ الخ

(ترجمہ:- اور وہ حسین منظر جب ابراہیم و اسمٰعیل بیت اللہ کی دیواریں بنا رہے تھے اور اس تعمیل فرض کے بعد والہانہ طور پر تکمیل مقاصد کی یوں دعا فرما رہے تھے کہ اے میرے رب اور بنا ہم کو اپنا مطیع و فرمانبردار اور میری ذریت میں سے امت مسلمہ کا ظہور فرما۔ ایسی امت جو تیرے حکموں پر جان دینے والی ہو۔)

محلوں میں دادعیش دینے والے فاتحین و اُمرا سے پوچھو اور غالیچوں پر بیٹھنے والے قسیسین ورُہبائمین سے کہو کہ اس عالم اسباب کی تاریخ میں اس ضعیف و ناتواں مرد مجاہد کے اُن کارنامہ ہائے جلیل کی کوئی مثال پیش کرو جو کلدان کی سرزمین سے اپنے صغرسن فرزند جلیل اور ضعیفہ بیوی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تحصیل کی راہ میں لے کر نکل پڑتا ہے اور جس کا مقصد جلیل اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ خدا کی زمین پر خدا کے نام کا کلمہ پڑھا جائے اور خدا کی مخلوق پستیوں سے چڑھ کر ترقی و رفعت کی بلند چوٹیوں تک پہنچ جائے۔ انسان اپنے آپ کو پہچان جائے اور خدا کا بن کر خدا کی بے اندازہ و بے ٹھکانا بخششوں اور ودیعتوں کا وارث بن جائے اور اس طرح تکمیل انسانیت کا ادھورا شاہکار تکمیل مدارج طے کرے، کیونکہ انسانی زندگی مقاصد اور فرائض کی دست نگر ہے اور انسان بذات خود اس کا جوابدہ۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً

(ترجمہ: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں عجائبات قدرت سے ہیں، ان سب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا

ہے اور تم پر ظاہر و باطن تمام علوم و انعامات وودیعات کی تکمیل فرمادی ہے۔)

یہودیوں نے خدائے ابراہیم و موسیٰ کو صرف غیظ و غضب کی آگ میں دیکھا اور تجلیات الالٰہیہ کو یکسر غضب و انتقام کا ہلاکت آفریں شاہکار سمجھ لیا اور اپنی بدنصیبیوں کے ہاتھوں کبھی اپنے مقصد جلیل اور اپنے فرائض منصبی کی تکمیل کی جانب توجہ مبذول نہ کی۔ دنیا میں جب کبھی کوئی جماعت اپنے مقاصد حیات اور اپنے فرائض کو پس پشت ڈال دیتی ہے تو یقیناً آپ سے موت کی بھیانک اندھیریاں آدباتی ہیں اور وقت کا عفریت اس کے سروں پر دردناک عذاب بن کر مسلط ہوتا ہے۔ **لفیه عبرة لاولی الالباب** ہ۔ خود مسلمانوں کی موجودہ بدنصیبیوں پر صدیاں بیت گئیں اور مجموعی طور پر ایک ہزار برس سے ملت اسلامیہ حوادثات تجاہل و تغافل سے منہ موڑنے کا منحوس پارٹ ادا کر رہی ہے۔ وقت کا گھنٹہ کبھی چونکانے سے دریغ نہیں کرتا اور ملی موت کا حادثہ پیہم جاری ہے، مگر غفلت کا نشہ چھٹتا نظر نہیں آتا اور فرائض کی ادائیگی کا احساس اور مقاصد ملی کی تعمیل کی مانگ ان کی خوابگاہ غفلت پر کبھی بجلی نہیں گراتی --- حضرت مسیح کے بعد عیسائی بھی اسی طرح اپنے مقاصد اور فرائض کو ٹھوکریں مار کر آزاد ہوئے اور آخر کار اس دسیسہ کاری نے تخت حکومت اور کلیسا کے دو الگ الگ محاذ پیدا کر کے جس جس طرح عیسائیت کو کنواں جھنکایا اس سے کون واقف نہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور قدسی کے وقت عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ ایک گروہ کہتا تھا:

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ [1]

(ہماری یہ زندگی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ زندہ ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں اور سوا زمانے کے ہمیں کوئی دوسری چیز ہلاک نہیں کرتی۔)

مادّیئین کی یہ جماعت سرے سے خدا کی قائل نہ تھی۔اس کے علاوہ پورا عرب معاشرہ اصنام پرستی،مظاہرہ پرستی اور ذہنی وطنی تصورات واحساسات کا پجاری تھا۔داعی اسلام کے ظہور مبارک نے وادیٔ غیر ذی ذرع میں اس اُمت کی تشکیل وتربیت کی مہم کا آغاز فرمایا جس کے ظہور کی تمنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ جو لوگ عربوں کی مزاجی خو بو سے روشناس ہیں وہ جانتے ہیں کہ سرزمین عرب پر کسی اصلاحی تحریک کا ان کے تصورات کا استیصال کر کے رو براہ ہونا کس قدر دشوار اور مشکل تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سنگ دلوں سے سابقہ تھا جو اپنی روایات کو اپنائے رکھنے میں نمرود وفرعون سے بھی زیادہ سخت ومتشدد تھے۔لیکن اسلام اور داعی اسلام نے انہیں متشددین کو واسطہ وذریعہ بنا کر اولین مرکز دعوت وتبلیغ انہیں کو قرار دیا۔مقاصد کی بلندی اور فرائض کی تعمیل اسلام کا بنیادی مقصد تھیں۔یہی وجہ ہے کہ آخر کار انہیں متشددین کے ہاتھوں سیادت عالم کا حسین عنوان معرض وجود میں آیا۔قرآن کریم نے اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالمگیر ترقیاتی اسکیم کا بار بار نقشہ کھینچتے ہوئے مقاصد اور فرائض امت کی تعمیل وتشکیل کے رجحانات کو بیدار فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ

(ترجمہ:-اسی اللہ نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا ہے جو ان پر اُس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور شرک وجاہلیت کے مذموم اخلاق سے انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں آداب زندگی سکھاتا ہے۔)

محققین علماء اسلام کا خیال ہے کہ اولین مخاطب وہی جماعت ہے جس کی حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے تمنا فرمائی اور جو آگے چل کر **راسخون فی العلم** کے درجہ پر فائز ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی ابتدا سے مدنی زندگی کے اواخر تک یہی جماعت جسے ہم امت مسلمہ کے بابرکت لقب سے تعبیر کرتے ہیں، اپنے شاندار کارناموں کی داغ بیل ڈال کر انسانیت کی سسکتی ہوئی لاش میں از سر نو زندگی کی گرمی دوڑاتی ہے اور یہی جماعت عرب وعجم کو متحد کر کے ایک نئے اور شاندار باب کا افتتاح کرتی ہے۔ قرآن کریم حق پسندوں کی اسی جانباز جماعت کے دینی اور بنیادی فرائض کا تعین فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ؕ الخ

(ترجمہ:- مسلمانو! تم بہترین امت ہو تمام اگلی پچھلی امتوں میں ایسی امت جو انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تمہاری اچھائی اور برتری اسی میں ہے کہ لوگوں کو اعمال خیر کی تلقین کرو اور ممنوعات و منکرات سے روکو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل لاؤ۔ وغیرہ۔)

قرآن کریم کے ارشادات عالیہ میں بھی امت مسلمہ اولین مامور من اللہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اس کے بے پناہ فرائض کی عظیم وجلیل دستاویز قرآن کریم کی ہر آیت اور اس کا ہر حرف ہے۔ اس کا یہ منصب جلیل کہ وہ خدا کی زمین پر اعمال خیر۔ امر بالمعرف اور نہی عن المنکر تبلیغ وارشاد کی ذمہ دار ہے۔ جب کبھی اس کا کوئی گوشہ تعمیل وتشکیل سے خالی ہوگا اور انسانیت کی تکمیلِ اخلاق کا تصور ادھورا رہ جائے گا اس کی براہ راست جواب دہی اس امت پر عائد ہوگی۔ کیونکہ قرآن کریم اس کا مقام متعین فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ

ابراہیم ﷺ نے تمنا فرمائی اور جو آگے چل کر **راسخون فی العلم** کے درجہ پر فائز ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کی مکی زندگی کی ابتدا سے مدنی زندگی کے اواخر تک یہی جماعت جسے ہم امت مسلمہ کے بابرکت لقب سے تعبیر کرتے ہیں، اپنے شاندار کارناموں کی داغ بیل ڈال کر انسانیت کی سسکتی ہوئی لاش میں از سر نو زندگی کی گرمی دوڑاتی ہے اور یہی جماعت عرب وعجم کو متحد کر کے ایک نئے اور شاندار باب کا افتتاح کرتی ہے۔ قرآن کریم حق پسندوں کی اسی جانباز جماعت کے دینی اور بنیادی فرائض کا تعین فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ الخ

(ترجمہ:۔ مسلمانو! تم بہترین امت ہو تمام اگلی پچھلی امتوں میں ایسی امت جو انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تمہاری اچھائی اور برتری اسی میں ہے کہ لوگوں کو اعمال خیر کی تلقین کرو اور ممنوعات و منکرات سے روکو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل لاؤ۔ وغیرہ۔)

قرآن کریم کے ارشادات عالیہ میں بھی امت مسلمہ اولین مامور من اللہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اس کے بے پناہ فرائض کی عظیم وجلیل دستاویز قرآن کریم کی ہر آیت اور اس کا ہر حرف ہے۔ اس کا یہ منصب جلیل کہ وہ خدا کی زمین پر اعمال خیر۔ امر بالمعرف اور نہی عن المنکر تبلیغ وارشاد کی ذمہ دار ہے۔ جب کبھی اس کا کوئی گوشہ تعمیل وتشکیل سے خالی ہوگا اور انسانیت کی تکمیلِ اخلاق کا تصور ادھورا رہ جائے گا اس کی براہ راست جواب دہی اس امت پر عائد ہوگی۔ کیونکہ قرآن کریم اس کا مقام متعین فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

(اور اسی طرح اے مسلمانو! ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا ہے تا کہ تم
قوموں اور انسانی ٹولیوں کے اعمال و افعال پر گواہ بنو اور رسول ﷺ تم
پر قیامت کے دن گواہ ہوں گے۔)

عہد نبوت سے تا قیامت مسلمانوں کا یہی منصب ہے اور رہے گا۔ اور جب کبھی ان کے ہاتھوں اس کی تعمیل ادھوری رہے گی اُن پر وبال و عتاب لازمی سمجھا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ اس سلسلہ کی اوّلین و عظیم و جلیل کڑی ہے۔ لیکن مسلمان کیا، دنیا کا کوئی منصف مزاج انسان آج اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ نے ہدایات و سعادات کی ایسی لافانی شمع روشن فرمائی ہے کہ آج تک اس سے استفادہ و فیضان کا سلسلہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں جاری و ساری ہے، خود بھوکوں رہ کر انصار و مہاجرین کو سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے مالا مال فرمایا۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس رات حضور اکرم ﷺ نے اس عالم سے پردہ فرمایا تھا میرے گھر کے چراغ میں تیل نہیں تھا کہ روشنی کرتی۔ (بخاری) حضرت صدیقہؓ سے حدیث ہے فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے اس عالم سے پردہ فرمانے کے وقت حضور ﷺ کی مِلک میں سوا ایک زرہ کے اور کچھ نہ تھا، اور وہ بھی ایک یہودی کے پاس گرو تھی۔ (بخاری) اسی اُمت کے فرائض کی تعمیل کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے:

علقمه بن وقاص قال سمعت عمر رضی اللہ عنہ قال سمت النبی ﷺ
اراه يقول الاعمال بالنّية فمن انت هجرة الىٰ دنيا
يصيبها او امرة تزوجها فهجرة الى ما هاجر اليه۔ (بخاری)

(علقمہ بن وقاص سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے سنا
انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا۔ میں دیکھ رہا تھا وہ فرماتے

تھے۔تمام اعمال کا انحصار نیت پر ہے۔ جس کی ہجرت حصول دنیا کے لئے
ہوگی وہ دنیا ہی پائے گا، یا عورت کی طلب ہوگی تو نکاح کرے گا۔ پس اس
کی ہجرت اس کے مقصد ہی پر موقوف ہوگی اور جو اللہ اور رسول کی خوشنودی کا
طالب ہوگا۔ اُس کی طلب وتلاش اللہ اور رسول کی خوشنودی پر موقوف ہوگی)

غرض مقاصد اور فرائض کی تعمیل وتشکیل کی بنیاد اوّل تو للّٰہیت واخلاص پر ہونی ضروری ہے اور اس سلسلہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی پاکیزہ زندگیاں اور اُن کے دینی فرائض کی تعمیل وتشکیل قابل غور ہے۔ حالات کے کسی اُتار چڑھاؤ نے اور وقت کی کسی ناموافقت نے کبھی مقصد کی شیفتگی اور فرائض کی تعمیل میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہونے دی۔ اسلامی قانون اور احکام شرعیہ کے اِجراء وتنفیذ کی راہ میں کبھی انہوں نے مصلحت اندیشی کو قبول نہ کیا۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا جاتا ہے:

عن عبادة بن الصَّامت قال قال رسول الله ﷺ اقیمو حدود الله على التقريب والبعيد ولا تأخذ كم فى الله لومة لائمه ۵۔ (ابن ماجہ کتاب الحدود)

(حضرت عبادت بن معامت سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ رشتہ دار غیر رشتہ دار پر اور قریب وبعید پر حدود اللہ قائم کرو۔ اور احکام الٰہی کے نفاذ میں ہرگز ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو۔)

فرائض کی تعمیل میں تاکید کی جاتی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رشتہ دار اور غیر رشتہ دار کا پاس کیا جائے اور قوانین الٰہیہ کا اجراء نفوذ اپنا کمال کھو بیٹھے۔

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت مبارکہ کے بعد سب سے پہلی تقریر

میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَنَّ اقوئکم عندی الضعیف حتّی اُخذ لہٗ بحقہ واَنَّ اضعفکم عندی القوی حتّٰی اُخذ منہ الحق (ابن سعد)

(تم میں جو قوی اور طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور اور ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے کمزور کا حق وصول کروں۔ اور تم میں جو کمزور اور ضعیف ہے وہ میرے نزدیک مضبوط و توانا ہے۔ تاآنکہ میں اُس کو اُس کا حق دلواؤں۔)

غرض قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ کی مفروضہ اُمت مسلمہ کے دینی فرائض کی فہرست و تفصیل سے قطع نظر موجودہ تساہل و تغافل کی بدنصیبیاں جو اُمت کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں ہر مومن و مسلم سے یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ وقت کی اندھیریوں کے پیش نظر کیا اب بھی یہ وقت نہیں آیا ہے کہ مسلمان اپنی اس بے عملی اور غفلت شعاری پر آنسو بہانے کے بجائے سنجیدگی سے غور کریں۔ قوموں اور ملتوں کی بے شمار تاریخی روایات میں فرائض سے منہ موڑنے والوں کا مقام تلاش کریں۔ اور پھر اپنے آپ پر اس موجودہ صدی میں امت مسلمہ کے تئیں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اُن کی تعمیل و تشکیل میں از سر نو کوشاں ہوں کہ یہی واحد نسخۂ شفاء ہے اور اس کو اپنائے بغیر عظمت رفتہ کا سراغ ناممکن نہیں بلکہ محالات میں داخل ہے۔

عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے زرّیں اور بابرکت دور کے ختم ہوتے ہی امت کے داخلی اور خارجی قوائے فکر و عمل میں دینی فرائض کی تعمیل میں جو قصور و عدم تعمیل پیدا ہوئی اور مفاد پرستی و جاہ پسندی کے رجحانات جس جس طرح اُبھرتے اور پھیلتے گئے ان کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ قوانین الٰہیہ کی تعمیل سے نظر بچائی جاتی رہے اور دینی فرائض کی طرف سے عدم توجہی برتی جانے لگی۔ اور کچھ مخصوص دیندار خدا پرستوں کے سوا عام طور پر جماعتی زندگی اس روگ کا شکار بنتی گئی۔ یقیناً یہ افسوس ناک حادثہ اور اس کے دوررس اثرات و نتائج

کی خطرناکیاں اب تک عالم اسلامی کو اس کے تباہ کن اثرات سے دوچار کر رہی تھی۔ موجودہ اسلامی زندگی کی ابتری و بربادی کا یہ پس منظر یقیناً بہت حوصلہ شکن سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ فرد یا جماعت کے غیر اسلامی طرزِ حیات کے اختیار و قبول سے اصول و ضوابط اسلام کی بلندی و ترقی پسندی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مذہب یا حکومت کا دستور قانون اگر جماعت کی عملی زندگی میں برتا نہیں جاتا اور اس کار چاؤ زندگی کے خط و خال میں رنگ و نور پیدا نہیں کرتا تو اُسے جماعت کے مزاج و کردار کی سُستی و کمزوری اور نافرمانی و کج روی سے تو تعبیر کیا جائے گا، مگر دستور و قانون کی درستگی و پختگی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

انسانی تاریخ کا یہ المناک شاخسانہ ہر دور اور ہر زمانے میں پیدا ہوتا رہا ہے۔ مذہبی ٹولیاں اور سیاسی جتھابندیاں ہر دور میں اس نقصان میں الجھی نظر آتی ہیں۔ کاروان اسلام کی فاتحانہ تگ و تاز نے بھی عصبیت اور تحفظ مفادات کے نام پر ان غیر اسلامی باتوں کو اپنانے میں پوری سبقت کا مظاہرہ کیا اور دینی فرائض کی بابرکت تعمیل و تشکیل آہستہ آہستہ ذہن و عمل سے اوجھل ہوتی رہی۔ قرآن حکیم پیدا ہونے والے اس غیر اسلامی رجحان کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ○ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

(ترجمہ: مسلمانو! اسلام کے حلقۂ ارشاد میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ رسمی طور پر تمہارا حلقۂ اسلام میں شمول مسلمان ہونے کی حقیقی تعریف پر پورا نہیں اُترتا جب تک اعتقاد و عمل کا گوشہ قانون اسلام کے رچاؤ سے روشن نہ ہو۔ اور ہاں شیطانی وسوسوں کے پیچھے نہ دوڑو کیونکہ وہ

تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر ہدایت و سعادت کے اس نور کے واضح ہو
جانے کے بعد بھی تم ڈگمگا گئے تو یاد رکھو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے،
(اُس کے قانون جزا کی گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔)

اُمت کا بنیادی دینی فریضہ

کوئی مسلمان جب تک اس کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا پختہ یقین اور اذعان کامل تبلیات ہو احساس کی عملی زندگی کا ہر گوشہ جب تک ان سعادتوں کے نور سے روشن نہ ہو جائے آپ کو کامل مسلمان نہیں کہہ سکتا اور بارگاہ خداوندی میں اس کا کوئی عمل شرف قبول سے ہم کنار نہیں ہوتا۔ امت کا یہی وہ بنیادی دینی فریضہ ہے جس پر اس کی ساری اعتقادی و عملی زندگی کی فلاح و کامرانی کا انحصار ہے اور جس کی عدم تعمیل اُسے **خسر الدنیا والاخرة ذالک هوالخسران المبين** کا مصداق بناتی ہے۔ اس بنیادی فرض کی ادائیگی میں ذرا بھی غفلت و سستی کا ارتکاب دونوں جہان کی ناکامی و روسیاہی کا سبب ہے۔ تعلقات کی کوئی شق اور فرائض کی کوئی قسم اس کی تعمیل میں قصور واضمحلال کی اجازت نہیں دیتی۔ دنیا کی تمام مذہبی حلقہ بندیوں اور مسلمانوں کے درمیان یہ مابا الامتیاز نقطہ ہے جو اس امت کو تمام دوسری امتوں میں ممتاز ثابت کرتا ہے۔ اور اگر مسلمانوں کی شامت اعمال کے ہاتھوں یہ بھی ست اور مضمحل پڑ جائے تو یقین کر لینا چاہیے کہ یہودی احیاء پرستوں اور عیسائی تثلیث پرستوں اور دوسرے تمام اصنام پرستوں اور مسلمانوں میں اب کوئی جزوی نقطہ امتیاز نہیں رہا۔ اور پھر عواقب و نتائج کی اثر اندازی بھی لازمی و قدرتی ثابت ہوگی۔ قرآن کریم اس حقیقت کا اعلان فرماتا ہے کہ:

اِنۡ یَشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ وَیَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ
وما ذٰلک علی اللہ لعزیزہ

(ترجمہ: اگر اللہ چاہے تو تم کو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق پیدا کردے اور یہ بات اس کے معجزۂ قدرت کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔)

سورۂ فاطر کی یہ آیت مذکورہ اپنے ماقبل کے مضمون اور اس کے نتائج کو اُجاگر کرتی ہے۔ اس سے پہلے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منکرین توحید کے عدوان و سرکشی اور شیوۂ شرک و بت پرستی کی افسوسناک روش کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے بے نیازانہ تصرف قدرت کا اعلان فرمایا ہے۔ جس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی قوم اس حکم یا اپنے اس بنیادی فرض کی تعمیل کو نظر انداز کرنے کا ارتکاب کرے گی تو اللہ تعالیٰ کے اس قانون جزا کی گرفت اس کے قریب آئے گی۔ مسلمانوں کی حیثیت اِس بارے میں نوعی طور پر مختلف ضرور ہے۔ اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کبھی اس گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوئی۔ لیکن یہ بھی اظہار حقیقت ہے کہ اس کے ایمانی زاویۂ عمل پر اس حقیقت کبریٰ اور بنیادی فرض کی تعمیل و وابستگی کی طرف سے صدیاں بیت رہی ہیں اور جو تغافل و تجاہل پیدا اور حاوی ہے اسے نظر انداز کر دینا ایک جرم ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب تک وہ خدا اور رسول کی اطاعت و پیروی میں چاق و چوبند رہے دنیا جہان کی کامیابیاں اور فیروزمندیاں ان کے قدموں پر نچھاور ہوتی رہیں۔ اور چاردانگ عالم پر اسلام اور حلقہ بگوشانِ اسلام کی دھاک بیٹھی رہی۔ کیونکہ انسانی محاسن کی تکمیل اس تعمیل کے بغیر ظہور میں نہیں آسکتی۔

كَمَا قِيْلَ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون)

(عزت و برتری اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔)

معلوم ہوا کہ تمام سربلندیاں اور خوش نصیبیاں ان آستانہ بوس شیفتگانِ بارگاہ کے لئے ہیں جو خدا اور رسول کی بارگاہ کی چوکھٹ پر مستمندانہ سر ٹیکنے سے تغافل و تجاہل نہیں برتتے اور اپنی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا ملجاء و ماویٰ اس بارگاہ عزت کو اذعان و یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں۔

دینی فرائض کا دوسرا بنیادی درجہ

قرآن کریم کا یہ عام انداز خطاب ہے کہ وہ یار یار آبرومند اور باعزت زندگی کی تحصیل وطلب کو زندگی کے حسن وکمال سے تعبیر فرماتا ہے اور دنیوی زندگی کی تکمیل وترقی کو فرائض اسلام میں شامل فرماتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ سوسائٹی کی خوبی اور اس کا کمال یہی ہے کہ ہر فرد اپنی جگہ پر خوش وخرم نظر آئے اور اشتراک وتعاون کی باہم آویزش سے پوری سوسائٹی کا ہر گوشۂ حیات حسن وکمال میں رشک کہکشاں ثابت ہو۔ جب کبھی سوسائٹی کی تشکیل وتعمیر اِس ڈھنگ پر انجام پائے گی اور ہر فرد اس کی بناوٹ میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں ذمہ دارانہ طور پر سرگرم عمل ہوگا تو قدرتی طور پر یہی مجوزہ نمونہ سامنے آئے گا۔ مسلمان قوم اس بارے میں وہ واحد سوسائٹی سمجھی اور مانی گئی ہے جس کا یہ دینی فرض تھا کہ زندگی کی ترتیب و آرائش میں زیادہ سے زیادہ صالح حسن وکمال پیدا کیا جائے اور اسی لئے اسلام نے علماء یہود کے طرزِ حیات کو استحسان کی نظر سے نہیں دیکھا۔ کیونکہ ان کا طرز حیات اور راہبانہ اصول زندگی، زندگی کی مفید قدروں اور مثبت تقاضوں کے اُجاگر ہونے اور اُبھرنے کے لئے زہراب ثابت ہوا۔ اسلام اور داعی اسلام ﷺ نے جس نمونۂ حیات کو اسلامی زندگی کا نام دے کر دنیا کے سامنے اختیار وقبول کے لئے پیش فرمایا اُس کی صلاحیت واستعداد دنیا کی سرگذشت حیات میں خود ایک مثالی چیز بن گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ روحی فداہ ایمان کی شرطیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اذناھا اماطۃ الاذیٰ عن الطریق (مشکوۃ باب الایمان)

(اور معمولی درجہ ایمان کا کسی تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا بھی ہے۔)

اسلام کے ظہور کا واحد مقصد دین ودنیا کی زندگی میں فلاح وسعادت کا چار چاند لگانا ہے۔ اس کے دامنِ زرّیں میں برکتوں اور سعادتوں کے جو حسین ورنگین گل بوٹے نظر

قریب ترین ہوتے ہیں ان کی کوئی بات اور کوئی پہلو ایسا نہیں ملتا جس میں دین و دنیا کا توازن اور ان کے درمیان اعتدال نہ پایا جائے۔ قرآن کریم اسی حقیقت کی جانب رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(اے میرے رب رحمت فرما ہمیں دنیوی زندگی میں فلاح و کامرانی اور آخرت میں بھی اور بچا مجھے آگ کے عذاب سے)

مشہور حدیث کا مضمون ہے الدنیا مزرعة الاخرة دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

عام شفقت و احسان اور ادائے حقوق و فرائض اور اسلام

قرآن کریم بار بار ان دینی فرائض کی تعمیل کا رجحان پیدا فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ○ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۚ○

(ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور چاہئے کہ ماں باپ کے ساتھ فرمانبردارانہ طور پر احسان و سلوک اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور پڑوسیوں کے ساتھ خواہ قرابت والے پڑوسی ہوں یا اجنبی اور غیر ہوں و نیز پاس کے بیٹھنے والوں کے ساتھ اور اُن لوگوں کے ساتھ جو مسافر ہوں یا

لونڈی غلام جو تمہارے قبضہ میں ہوں احسان اور سلوک کے ساتھ پیش آؤ اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے ہیں اور ڈینگیں مارنے والے ہیں جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تلقین کرتے ہیں۔ اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں عطا فرمایا ہے اُسے خرچ کرنے کی جگہ چھپا رکھتے ہیں۔ یاد رکھو ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں رسوا کن عذاب مقرر کر رکھا ہے۔)

آیۂ مذکورہ بالا اور اس کے علاوہ بے شمار آیات مقدسہ امت کے اخلاقی، معاشرتی اور ارتقائی معیار حیات کو بلند تر کرنے کے لے جن فرائض، ور دن اصولوں کو بیان کرتی ہیں. امت مسلمہ اگر ان کی تعمیل میں ثابت قدمی کے ساتھ عمل پیرا ہوتی تو دنیا میں آج بھی اس امت کا وہی مقام ہوتا جو اوّل اوّل اس نے حاصل کیا تھا۔

آیت مذکورہ میں قرآن کریم نے مسلمانوں کے اس اہم دینی فرض کی تعمیل و ادائیگی کے رجحان کو اُجاگر فرمایا ہے جو حق ربوبیت کی ادائیگی کے بعد دوسرا درجہ ثابت ہوتا ہے۔ والدین کے ساتھ احسان و سلوک دراصل ان کے اس احسان عظیم کا حقیر ترین صلہ ہے جو اولاد کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کے ہر شعبہ میں وہ پوری محبت و شیفتگی کے ساتھ کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات کا سیاق و سباق اس خدمت جلیلہ کو جو اولاد پر قدرتی طور پر عائد ہوتی ہے، ایک اہم جزو ایمان کا درجہ قرار دیتا ہے۔

اس کے بعد ہی وہ ترقی یافتہ سوسائٹی کے اجزاء ترکیبی و ضروری کی طرف مسلمانوں کو عمل کی دعوت دیتا ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ ان کے شایانِ شان حقوق رشتہ داری کا لحاظ اور حسنِ سلوک اور پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ اسلامی رواداری اور سلوک اور دوستوں کے مراتب خلوص کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے شایان شان محبت و احترام

اور بے دست و پا مجبوروں بے بسوں اور بے کسوں سے لطف وکرم کا برتاؤ اور اپنے حلقۂ اثر میں رہنے والے لونڈی غلاموں اور محکوموں کے ساتھ مہربانی نوازش احسان اور بابرکت گھرانے یہ تمام دینی فرائض امت مسلمہ کی بنیادی ترکیب وآرائش میں شامل ہیں۔ ان کی ادائیگی بھی جب بھی عدم تعمیل کی آلودگی سے ملوث ہوگی تو قرآن اور اسلام کی اصطلاح میں بدخلقی اور فرض ناشناسی سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ خواہ اس کا ارتکاب انفرادی زندگی میں ہو یا اجتماعیت میں ــــ اور پھر یہی نہیں کہ ادائیگی فرض کی یہ تلقین تلقین محض پر موقوف ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو رخصت کا جواز نکل سکتا تھا۔ لیکن قوانین اسلام کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ وہ کسی قانون یا فرض وامر کو امت کی اختیاری روش پر نہیں چھوڑتا ــــ وہ جب کسی بات کے کرنے کا حکم فرماتا ہے تو اس حکم کی تنبیہ ہوتی ہے کہ اس حکم کی عدم تعمیل جزاء وسزا کی موجب ہے۔ اسلامی زندگی کے قرآنی نقشہ کا بھی بالکل یہی حال ہے۔ عبادات ہوں یا فرائض ومعاملات ان کی تعمیل پر وہ بار بار اصرار وتکرار کرتا ہے اور عدم تعمیل پر اپنے خاص حسن خطاب میں وہ عواقب ونتائج کے اثر انداز ہونے پر تنبیہ فرماتا ہے اور ان پیش کردہ دینی فرائض کی تعمیل وتشکیل میں دست تعاون واشتراک بڑھانے کو اور آپس میں ہر شعبۂ زندگی پر امت کو، ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے کو نیکی اور تقویٰ سے تعبیر فرماتا ہے ــــ اور پھر اپنے مجوزہ دستور زندگی کے خلاف ظہور میں آنے والے طریق حیات پر عدم تعاون کو لازمی قرار دیتا ہے **کما قیل فی کتابه الحکیم:**

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الخ

(ترجمہ: مسلمانو! اپنی معاشرتی واخلاقی زندگی کی ترکیب وآرائش میں نیکی اور اچھائی پر آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرو [یعنی ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ] اور گناہ وفساد اور بغی وعناد کے سانچہ میں ڈھلنے والے

طریق حیات سے دست کشی اختیار کرو۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مسلم شریف میں فضیلت علم کی ایک حدیث میں ارشاد ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نَفَّسَ عن مؤمن کربۃً من کُرَب الدنیا نفَّسَ اللہ عن من کرب یوم القیامۃ ومن یَسَّرَ علی معسرٍ یَسَّر اللہ علیہ فی الدنیا والاخرۃ ومن سَرَّ مسلماً شرہ اللہ فی الدنیا والاخرۃ واللہ فی عون العبد ما کان العبدُ فی عون اخیہ۔ الخ (مسلم شریف)

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مومن سے دنیا کی زندگی کی کوئی مصیبت وتکلیف دور کردی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیف سے اُسے نجات دے گا۔ اور جو کسی کی عزت وتنگی میں کام آئے گا (یعنی اس کی مدد کرے گا) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے سہولتیں بہم پہنچائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیبوں کو چھپائے گا اور اللہ تعالیٰ اُس وقت تک بندہ کی اعانت ونصرت میں متوجہ رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے کسی بھائی کی دستگیری واعانت میں لگا رہتا ہے۔

قوموں اور جماعتوں کی زندگی میں دستور فرائض کی جو فہرست ملتی ہے ان میں اور امت مسلمہ کی بنیادی فرائض کی قرآنی تصریحات میں ایک حقیقت نمایاں تر ملتی ہے۔ قرآن جسے بار بار دہراتا ہے اور مسلمانوں کی دینی وبنیادی ذمہ داری وہی ہے۔

کوئی مسلمان اپنی کسی حرکت وعمل میں آزاد نہیں، کیونکہ اس کی زندگی اور زندگی کے تمام اعمال وافعال اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ عزت وجلال میں جوابدہ ہیں اور جب کبھی کسی انسان کے ذہن وعمل پر یہ حقیقت اثر انداز ہوگی تو لازمی طور پر اس کی زندگی میں حزم و احتیاط کا اثر غالب ہوگا اور قدم قدم پر خشیت الٰہیہ اس کا دامن کھینچے گی۔ مذکورہ صورتوں میں ظاہر ہے کہ سماج کا مقام بلند ہوگا اور بابرکت ارتقائی قدروں اور خالص دیندارانہ احساسات اور تقاضوں سے زندگی حسین تر بنتی جائے گی۔ کسی مسلمان کے لئے اس بات کا خیال بھی گناہ سے کم نہیں کہ اسلام کے دستور وفرائض ارتقاء کے حوصلوں کے منافی ہیں۔ کیونکہ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا الٰہی مشن ہے جس نے آسمانوں کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں تک کے تمام انعامات ونعائم ناپیدا کنار کی نشاندہی فرماتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے طلب وحصول پر بار بار مستعد اور متحرک ہونے کی دعوت دی ہے۔ اور ان تمام ذمہ داریوں اور مقصد برآریوں کو دینی فرائض کا نام دے کر اس خوبی اور کمال کے ساتھ مفاسد و ذمائم کا استحصال فرمایا ہے کہ دنیا جب کبھی دیانتدارانہ آنکھ سے اس حقیقت کو دیکھے گی تو قبول کے سوا اس کے لئے کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○

(ترجمہ: [یعنی] اور کتنی بے شمار نشانیاں اور کتنے بے ٹھکانہ اسباب حیات آسمانوں کی بلندیوں اور زمینوں کے سینوں میں ایسے پوشیدہ ہیں کہ غافل لوگ اس پر صبح شام گذرتے ہیں اور ہائے افسوس کہ وہ اس کی افادیت سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔)

وباللہ التوفیق وھو الموفق والمعین۔

اسلامی معاشرہ اوراس کی چند اہم خصوصیات

عام طور پر انسانی معاشرہ کی تشکیل اپنی تشکیلی منزل میں چند مخصوص حالات سے دو چار ہوتی ہے خود تشکیل کی بنیاد قطعی مادیت پر ہو یا خالص رومانیت پر۔ اس کی داغ بیل میں انسانوں کے جائز حقوق اور ترقی پذیر تقاضوں کی شمولیت ونگرانی از بس ضروری ہے۔ کسی معاشرہ یا سوسائٹی کی تشکیل میں اگر یہ باتیں نہ پائی جائیں تو بدیہی طور پر سوسائٹی کی بناوٹ میں مفید یکسانیت و یک رنگی کارفرما نہ ہوگی اور جلد ہی معاشرہ کو تاراج اور ابتری سے دو چار ہونا پڑے گا۔

اقوام وملل کی تاریخ میں اس قسم کی بہت ساری مثالیں پائی جاتی ہیں اور ہم اس تباہی پر افسوس وماتم کرتے رہ جاتے ہیں۔ دنیا کی ان تمام مثالوں میں ایک روشن مثال دنیا کے سامنے کاروان اسلام کی بھی ہے جو روز اول سے اپنے خالص دینی وروحانی فکر وعمل کے دائرہ میں اپنا ایک خاص اور بابرکت معاشرہ لئے افق فاران سے نمودار ہو کر دیکھتے دیکھتے ربع مسکوں پر چھا جاتا ہے اور امیر کارواں اسلام کے ابدی اور آفاقی مشن کو نسل انسانی کی اصلاح و

صلاحیت کا اظہار ہوتا ہے۔ دراصل یہ قافلہ نبی امی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مٹھی بھر جاں نثار ساتھیوں کا ایک قدسی گروہ تھا جس نے دنیا کی تاریخ میں دیکھتے دیکھتے دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ کا عالمگیر پیغام امن واصلاح کی زندگی سے مدنی زندگی کے آخر تک جزائر عرب کے واسطے سے تمام عالم انسانی تک یہ روشنی پہنچاتا ہے۔ آپ ﷺ کا مطمح نظر ایک ایسا بابرکت اور ترقی پذیر معاشرہ تھا کہ جو عالم انسانیت کے ہر زمانے کے لیے ایک نسخہ شفا ثابت ہوا۔ جس کی داغ بیل وادیٔ ام القریٰ میں ڈالی گئی اور جس کی برکتیں اور سعادتیں چار دانگ عالم کو بہرہ اندوز کر سکیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جانچنے کے لائق توجیہات یہی ہو سکتی ہے کہ جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی جائے کہ کیا حقیقت بھی یہی ہے کہ پیغمبر اسلام نے جس معاشرے کو اسلامی معاشرہ سے تعبیر کیا ہے اور جسے ہمیشہ ہر عالم انسانیت کے لیے قابل قبول بتایا ہے، واقعیت بھی یہی ہے کہ وہ عالمگیر انسانی تمدن اور تہذیب کو اپنے اندر جذب کر لینے اور سمیٹ لینے کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے؟ یا [illegible] کے مصداق ہے۔ یا پھر ایک خاص جماعت اور خاص ملک کے وقتی ضروریات کے مطابق ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر مذکورہ بالا قیاسی نتائج کی آخری شق درست ہے تو ظاہر ہے کہ سارے تمام تر مفروضات برخود غلط ثابت ہوں گے اور اس صورت میں ہمیں اپنے خیالات پر نظر ثانی کی دعوت دی جانی صحیح ثابت ہوگی۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم اس بارے میں کچھ عرض کریں مناسب یہ ہوگا کہ سب سے پہلے داعی کا اسلوب دعوت و عمل سامنے رکھ کر اس سے ہدایت کی روشنی حاصل کی جائے۔

قرآن کریم کی ہدایت آثار دعوت پیش نظر ہے ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ الخ

(اے ایمان والو قبول کرو اور بجا لاؤ اللہ اور اللہ کے رسول کے کہنے کو۔ جبکہ

رسول تم کوتمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔)

قرآن کریم کا یہ ارشاد چند روشن حقیقتیں ہمارے سامنے واضح فرماتا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ مسلمانو! رسول اکرم ﷺ کی دعوت کو عین خدا کی دعوت سمجھو اور اگر تم نے اس کے خلاف سمجھا تو تمہارا یہ سمجھنا بر خود غلط ہوگا۔ دوسری روشن حقیقت یہ ابھرتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی دعوت کا اثر یہی ہے کہ وہ تمہاری کھوئی ہوئی زندگی دوبارہ لوٹا دے اور جس طرح نسیم سحر کی خشک موجیں پھولوں میں نئی زندگی کی تر و تازگی پیدا کرتی ہے بلکہ اسی طرح رسول امی کی دعوت مبارکہ بھی تمہاری ڈوبی ہوئی نبض میں پھر گرمئی حیات کا خون دوڑا دے گی۔ اور بھولے نہیں کہ داعی اسلام کی اس دعوت کی بنیاد بلا امتیاز ملک و قوم تمام عالم انسانی کی اصلاح و فلاح پر مبنی تھی۔ جیسا کہ خود آپ کا ارشاد ہے:

انا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (حدیث)

(میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل و اصلاح کا فرض انجام دوں)

فتح مکہ کے تاریخی پیغام امن و نجات میں ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ:

لیس لاحد علی احد فضل الا بدین و تقویٰ (بخاری شریف)

(یعنی کسی انسان کو کسی انسان پر سوا از روئے دینداری و پرہیز گاری کے کوئی فضل و بزرگی حاصل نہیں)

کون ہے جو ان ارشادات کی سعادت آثار روشنی میں اس بات کا انکار کرے کہ عالم انسانی کے افادہ و استفادہ کا اس سے زیادہ بابرکت سرچشمہ آج تک اس سرزمین پر کہیں نہیں پھوٹا۔ فرانس کی تحریک انقلاب کا علمبردار روسو اپنی کتاب معاہدۂ عمرانی میں لکھتا ہے کہ دنیا کے تمام نظاموں میں اصلح ترین نظام وہی تھا جسے محمد ﷺ نے دنیا والوں کے لئے پیش کیا تھا۔

سوسائٹی کے مصالح کا تقاضا یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے اجزاء ترکیبی میں یکسانیت اور مماثلت پیدا ہو اور معاشرے کے اندر مشترک مفاد اور مشترک تعاون کا صالح جذبہ

کا فریضہ یہی باہمی اشتراک و تعاون سے اس کی نشو ونما کا ساز و سامان تیار کیا جائے اور پھر اس کا ہر فرد حقوق کی نگہداشت و تحصیل میں یکساں طور پر استفادہ کا حق دار ہو۔

فرض کیجیے کہ مذکورہ حقیقت اس کے خلاف ہو تو ایسے صلاحیت پذیر معاشرہ یا سوسائٹی سے تعبیر کرنا یکسر غلط ثابت ہوگا۔ لیکن جہاں تک اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام امن و نجات کا تعلق ہے یہ بات بالکل واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ آپ کا مطمح نظر ایک ایسا مفید انسانیت معاشرہ ہے جو یکساں طور پر تمام عالم انسانی کو اپنے اندر سمیٹ لینے کی بابرکت صلاحیت و استعداد رکھتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا ارشادات مبارکہ سے یہی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ تکمیل اخلاق اور ادائیگی حقوق و معاملات اسلامی معاشرہ کے اجزاء ترکیبی ہیں۔ ان میں سے کوئی شق بھی اگر اس سے الگ کر دی جائے تو اسلامی معاشرہ کی تکمیل میں ادھورا پن رہ جائے گا۔

انسانی معاشرہ کی کوئی تشکیل و مثال جو ان مذکورہ بالا حقیقتوں سے خالی ہو اجتماعی یا معاشرتی زندگی کے لئے کبھی مفید و کار آمد ثابت نہیں ہو سکتی۔ قوموں کی تاریخ میں یہ تلخ حقیقت بار بار ہمیں دعوت غور و فکر دیتی ہے اور اگر یہ کہا جائے تو شاید نادرست نہ ہوگا کہ جب کوئی عظیم قوم تباہی و بربادی کے گڑھے میں گر کر ہلاک ہوتی ہے تو اس کا پس منظر یہی ہوتا ہے کہ معاشرے کے اندر کوئی حقیقی کشش اور مفید لوچ باقی نہیں رہا جو اپنے ماحول کی درستگی کے عمل کو اُس کے صحیح رُخ پر لگاتا۔ پندرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک کی خود یورپ کی تاریخ شاہد ہے کہ سوسائٹی اندر کے مہلک جراثیم نے کس کس طرح عیسائیت کو کنوئیں جھنکایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ باہمی پرخاش مذہبی شاخسانہ سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان تمام خرابیوں اور تباہیوں کا اولین سرچشمہ صرف معاشرہ ہی ہوا کرتا ہے۔ رومۃ الکبریٰ اپنی تاریخ میں بہت سی معاشرتی و اخلاقی بلندیوں کا دعویدار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ رومن قانون کی بنیاد اصلاح عمل پر مبنی تھی۔ لیکن

حقیقت اس کے خلاف شہادت مہیا کرتی ہے۔ روشن سوسائٹی بھی کبھی فرق مراتب کی لعنت اپنے اندر سے دور کرنے پر قابو نہ پا سکی اور آخرکار قبائل کی تحریق نے کبھی نہ ختم ہونے والی چند در چند خرابیاں پیدا کردیں۔ مگر پیغمبر اسلام کے عظیم اسلامی معاشرے کی عالمگیریت اور آفاقی افادیتوں کا معاملہ ان سب سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسلام نے اپنے ظہور کے اولین لمحوں میں معاشرہ کے اندر جراثیم پیدا کرنے والے ایک ایک اثر کا اس کامیابی سے قلعہ قمع کیا کہ بقائے ذات اور حقوق و معاملات کی نگہداشت و تحصیل میں بلال اور سلمان و صہیب بھی ابوبکر صدیقؓ عمر فاروقؓ اور عثمانؓ و علیؓ کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ یہ دراصل اس اسلامی معاشرہ کی سعادت آثار برکتوں کے نتائج ہیں جو نبی امی نے عالم انسانی کی ہدایت و سعادت کے لئے پیش فرمایا کما قال ﷺ لا فضل للعربی علی العجمی۔

اسلامی معاشرے کا مرکزی و بنیادی نقطہ

عالم انسانی کی حسرت ناک سرگذشت بتاتی ہے کہ انسانی زندگی کا ہر گوشہ محض اس لئے ابتری و تسفل اور بربادی مزاج کی نذر ہوتا رہا ہے کہ انسانی ذہن و خیال تصورات الٰہی کی ہر زمانے میں عجیب عجیب شکلیں اور صورتیں ڈھالتا رہا ہے نمرود و فرعون اور دوسرے بے شمار اس قسم کے جاندار و بے جان پیکر جو جاہل اور اندھے انسانوں سے خراج عبودیت حاصل کرتے رہے۔ سب اس سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں اور انسان محض اس لئے اپنی ذہنی بلندیوں اور خیالی بلند پروازیوں سے محروم تھا کہ اس کی سجدہ ریزیاں بارگاہ خداوندی کے بجائے انسانی درباروں کے لئے مجبور ہوگئی تھیں۔ اسلام اور بانی اسلام ﷺ کا یہ عالمگیر احسان و کرم ہے کہ آپ کی ایک آواز احیاء نے سارے عالم انسانی کو ایک نئی زندگی اور امنگوں بھرے ولولوں سے ہمکنار فرمایا۔ یہ بڑی روشن اور واضح حقیقت ہے کہ توحید الٰہی نے انسانی عظمت و جبروت کے تمام جھوٹے، ہیکلوں اور تصورات باطل کو ختم کر کے انسان

کو ایسی لازوال اعلیٰ اخلاقیوں اور بلند پروازیوں سے مالا مال کر دیا کہ انسانی زندگی میں آج تک بشریت کا اس سے زیادہ حسین و جمیل تصور پیدا نہیں کیا جا سکا۔ پس دراصل اسلامی معاشرے کا بنیادی نقطہ عمل اور مرکزی دائرہ یہی عقیدہ توحید ہے۔ جس نے انسان کو صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات اور وارث ارض و سماوات کے رنگ و روپ میں آراستہ و پیراستہ کر کے اسے رشک ملائک بننے کا شرف مرحمت فرمایا۔ پس دراصل اسلامی معاشرہ کی بیان کی جانے والی تمام خوبیاں اور اعلیٰ اخلاقیات اپنے اسی مرکزی نقطہ سے مربوط ہیں۔ جہاں تکمیل انسانیت کا کمال جہاں آدمیت کو اخلاقی بلندیوں کی انتہا تک پہنچاتا ہے۔ اس بنیادی اور مرکزی نقطہ کے بعد دوسرا نقطہ اس معاشرہ کا دوسرا مرکزی و بنیادی دائرہ بارگاہ رسالت محمدی کی تشخص و عزت ہے کہ سارا نظام جماعت (خواہ معاشرہ ہو، خواہ اور شعبے) اپنے اسی محور پر گردش کرتا ہے۔ کیونکہ اصل و بنیاد اس نظام کی یہی ہیں کما قیل۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

کہہ دیجئے کہ ہماری عبادتیں اور ہماری تمام قربانیاں اور ہماری زندگی اور ہماری موت سب اسی رب العزت کے عرش جلال کی طرف لوٹتی ہیں۔ جو تمام عالموں کا پیدا کرنے والا ہے۔"

پس ہمارا معاشرہ جو مرکب ہے۔ تمام بلند محاسن سے اور جن کی غرض و غایت یہی ہے کہ سارا عالم انسانی ایک ایسے معاشرتی و اخلاقی نظام حیات سے بہرہ اندوز ہو۔ جس کی تمام تر باگ ڈور، براہ راست قرآن کریم اور اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتوں کے قبضہ و تصرف میں ہو۔ تو پھر کون ہے، جو اس سے انکار کرے کہ تکمیل انسانیت کا بابرکت تصور اسی اسلامی معاشرہ سے وابستہ ہے اور اس کے احیاء کے بغیر تکمیل انسانیت کا عظیم تصور کبھی شرمندۂ معنی نہیں ہو سکتا۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

اسلامی تصوّرِ حیات

یہ عالمِ رنگ و بو، رنگ برنگ کے بے شمار تصورات زندگی کی دل آویز مثالیں پیش کرتا ہے۔ چمن زارِ حیات میں یہ حسین گل کاریاں ہر زمانے میں دعوت قبول دیتی رہی ہیں۔ موسم بہار کی طرح یہاں بھی باغ و بہار اس کی رعنائیاں حُسن و دلکشی کا سودا چکانے میں ہمیشہ آزاد رہی ہیں۔ ہر تصور حیات ایک حسین باغ کی طرح پھولوں اور خوشنما غنچوں سے لہلہاتا رہا ہے۔ مگر زمانہ کی ستم ظریف گل چینی نے کبھی اسے ایک رنگ پر لہلہانے کی مہلت نہیں بخشی اور دیکھتے دیکھتے یہ باغ بھی پھولوں سے لدے ہوئے باغ کی طرح ہمیشہ اجڑتا اور ویران ہوتا رہا ہے اور پھر یہ خزاں نصیب چمن زار تصور پامالی و حرماں نصیبی کا ایک ماتم کدہ بن کر رہ جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس عالم کی ہر کیفیت اور اس گلکدہ حیات کی ہر رنگینی تغیر پذیر ہے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس بدیہی حقیقت کو جھٹلانے کی جرأت کی جائے تو بات یہی نکلی

کہ یہاں کی ہر پیداوار ناپائدار ہے اور اس عالم رنگ و بو کی ہر رنگینی زوال پذیر اور مستعار ہے در اصل صبح و شام زندگی کی بے کیف و بے رنگ تصویر بجائے خود محل عبرت و بصیرت ہے۔ سوچنے والے دماغ اور دیکھنے والی آنکھیں کبھی ان سے مغالطہ نہیں کھاتیں۔ موسم کا اتار چڑھاؤ۔ بہار کی رعنائیاں، کہسار کی دلفریب شامیں اور بہاراں کی شبنمیں صبح چمن نسیم سحری کی اٹھکیلیاں اور پھولوں کے نرم و نازک آنچل پر شبنم کی زرنگار گہرافشانی بجائے خود ایک مستقل موضوع حیات ہے جس کے دامن کی روح افزا چھاؤں میں احساسات لطیف کی کتنی انگڑائیاں دیدۂ بینا اور قلب سلیم سے وارفتگی و بے خودی کا سودا چکانے میں آزاد و بیباک ہیں۔ اور کون جانے کہ ان ہنستی بولتی تصویروں میں حسن طلب کی کتنی بجلیاں خرمن ذوق طلب پر کوندنے کے لئے بیتاب ہو رہی ہیں۔ اور کون ہے جو اس مرحلۂ ذوق کی صبر آزما لطافتوں سے اقوام و ملل کے تصورات حیات کے گل کدۂ رنگا رنگ میں بھی اتار چڑھاؤ کے اس حسین مزاج کو فراموش کر سکے۔ اس پرانی دنیا کا رنگین مزاج بھی یقیناً ہر شعبۂ ہست و بود میں اسی رستاخیز سے ہمیشہ متاثر اور دوچار رہا ہے۔ پھولوں کے جھرمٹ اور قافلۂ بہار سے ہٹ کر انسانی جماعتوں اور مجلسوں کا بھی بالکل یہی حال ہے۔ کل تک جو تصورات زمانے سے خراج عقیدت لے رہے تھے آج ان کی بے رونقی اور کس مپرسی کا یہ عالم ہے کہ آثار قدیمہ کی کوٹھریوں کے سوا، ان کا کہیں کوئی لائق توجہ نشان نہیں ملتا۔ انسان کا فریب خوردہ ذہن تحقیق سے فطرت کا عجب برتاؤ کہتا اور سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ چاند اور تاروں سے جی بہلانے والے جانتے ہیں کہ گردش صبح و شام کا مزاج ان کرشمہ بازیوں کو کس کس طرح مستعار لے رہا ہے۔ انسانی دل و دماغ اور عالم رنگ و بو کی ہر بخشش کا قدرتی اور فطری حد پر یہی مزاج رہنا چاہیئے اور ہے بھی۔ انسانی ذہن رنگ و روغن میں عکاسی کا ہزار جادو بیا کر کرے۔ لیکن وہ اسے زندہ جاوید نہیں بنا سکا۔

افلاطون کی فلسفیانہ نکتہ آرائی اور والٹیر اور گلیلیو کی حکیمانہ منصوبہ آرائی اس کے منفی پہلوؤں کو مثبت تقاضوں میں نہیں ڈھال سکتی۔ روسو اور کارل مارکس کی انقلابی

خار اشگافی گردش لیل ونہار کو اپنے خوشنما فارمولوں کا پابند نہ بنا سکی تو پھر کون ہے جو دعوی کرے کہ انسانی دماغ کا ذوق تصویر کشی اپنے رنگ و روغن کی آب وتاب کو تغیر عالم کے بے لاگ جھونکوں سے بچا سکتا ہے۔

یہ عالم، انسانی ذہنوں کی رستخیز کا عالم ہے لیکن **رب السموات والارض** کی لازوال عکاسی اور تصویر کشی کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے جیسا کہ ہدایت انسانی کی ابدی علم بردار کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرمایا جاتا ہے **صنع اللہ الذی اتقن کل شیٍٔ الخ**۔

مختلف تصورات حیات

دنیا کی پرانی اور نئی تاریخ ان گنت تصورات کی ایک طویل فہرست پیش کرتی ہے جو اپنے اپنے وقتوں میں ابھرتے اور پروان چڑھتے رہے اور پھر ایک خاص مدت کے بعد زمانے کی ستم ظریفیوں کے ہاتھوں ان کا رنگ و روغن پھیکا پڑتا رہا۔ ان ہی تصورات حیات میں ایک تصور حیات وہ بھی ہے جس کی اسلام اور قرآن کی الوہی پاکیزگیوں نے ترکیب و تعمیر کی اور جو افراد اور زمانوں کی کمزور فکر مندیوں کا رہین منت نہیں۔ یہی تصور ہے جسے اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق بتاتا اور ثابت کرتا ہے اور جس کی بنیاد و اساس قدوسیوں کی بلندیوں میں مصوٴن و محفوظ ہے۔ **كَمَا قِيْلَ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۤ** الخ۔

ہم حقیقتوں کا انکار کرنا جرم سمجھتے ہیں لیکن اس سے بڑا جرم یہ ہوگا کہ اگر خدائی قانون حیات کو انسانی ذہنوں کے ڈھالے ہوئے سانچوں میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے جتنے بھی تصورات زندگی میں برتے اور چلائے جا رہے ہیں ان کے مقابلہ میں اسلامی تصور حیات اپنی ایک جداگانہ حیثیت کا مالک ہے۔ اس کی اس ممتاز حیثیت کا اعتراف چاہے دنیا زبان سے نہ کرے مگر دنیا کے متعدد رجحانات نے اس بارے میں کبھی سوچنے اور سمجھنے میں غلطی نہیں برتی ہے اور یقیناً دنیا جہان کا ذہن درون پردہ اس حقیقت سے محض روشناس ہی نہیں بلکہ اثر پذیر بھی ہے کہ دنیا کی کتاب زندگی میں اسلام اہ

خاراشگافی گردش لیل ونہار کو اپنے خوشنما فارمولوں کا پابند نہ بنا سکی تو پھر کون ہے جو دعوی کرے کہ انسانی دماغ کا ذوق تصویر کشی اپنے رنگ وروغن کی آب وتاب کو تغیر عالم کے بے لاگ جھونکوں سے بچا سکتا ہے۔

یہ عالم، انسانی ذہنوں کی رستخیز کا عالم ہے لیکن رب السموات والارض کی لازوال عکاسی اور تصویر کشی کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے جیسا کہ ہدایت انسانی کی ابدی علم بردار کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرمایا جاتا ہے **صنع اللّٰہ الذی اتقن کل شیٍٔ الخ۔**

مختلف تصورات حیات

دنیا کی پرانی اور نئی تاریخ ان گنت تصورات کی ایک طویل فہرست پیش کرتی ہے جو اپنے اپنے وقتوں میں ابھرتے اور پروان چڑھتے رہے اور پھر ایک خاص مدت کے بعد زمانے کی ستم ظریفیوں کے ہاتھوں ان کا رنگ وروغن پھیکا پڑتا رہا۔ ان ہی تصورات حیات میں ایک تصور حیات وہ بھی ہے جس کی اسلام اور قرآن کی الوہی پاکیزگیوں نے ترکیب و تعمیر کی اور جو افراد اور زمانوں کی کمزور فکر مندیوں کا رہین منت نہیں۔ یہی تصور ہے جسے اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق بتاتا اور ثابت کرتا ہے اور جس کی بنیاد واساس قدوسیوں کی بلندیوں میں مصؤن ومحفوظ ہے۔ كَمَا قِيلَ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ؕ الخ۔

ہم حقیقتوں کا انکار کرنا جرم سمجھتے ہیں لیکن اس سے بڑا جرم یہ ہوگا کہ اگر خدائی قانون حیات کو انسانی ذہنوں کے ڈھالے ہوئے سانچوں میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے جتنے بھی تصورات زندگی میں برتے اور چلائے جا رہے ہیں ان کے مقابلہ میں اسلامی تصور حیات اپنی ایک جداگانہ حیثیت کا مالک ہے۔ اس کی اس ممتاز حیثیت کا اعتراف چاہے دنیا زبان سے نہ کرے مگر دنیا کے متعدد رجحانات نے اس بارے میں کبھی سوچنے اور سمجھنے میں غلطی نہیں برتی ہے اور یقیناً دنیا جہان کا ذہن درون پردہ اس حقیقت سے محض روشناس ہی نہیں بلکہ اثر پذیر بھی ہے کہ دنیا کی کتاب زندگی میں اسلام اور

بادی اسلام کا پیش کردہ تصورِ زندگی حرفِ آخر بن کر رہ گیا ہے۔

اٹھارہویں صدی کا فرانسیسی مفکر اور انقلابی رہنما جان روسو اپنی مشہورِ آفاق کتاب سوشل کنٹرکٹ (معاہدہ عمرانی) میں کہتا ہے حضرت محمد ﷺ کا پیش کردہ تصورِ حیات اس سلسلے کی آخری کڑی اور مکمل ترین تصویر ہے کہ اس سے بہتر اور حسین تر نظامِ حیات نہ پیش کیا گیا ہے اور نہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ كَمَا قِيْلَ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [1]

ایک دردناک سوال

ہم نے طوالت کے خوف سے دنیا کے مختلف تصوراتِ حیات سے قطعِ نظر کرتے ہوئے صرف اسلامی تصورِ حیات کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ حالانکہ ہمیں اعتراف ہے کہ تصورات کی بات چھڑی ہے تو متعدد تصوراتِ حیات پر صرفِ نظر بھی ہونا تھا۔ لیکن حالات اور وقت کے تقاضے صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو بات کہی جائے اس کا تعلق اب اپنی ذات اور اپنے اختیارات ہی سے ہو۔ حدیثِ دیگراں کا وقت گذر چکا ہے اب تو اپنی دردناکیوں کا یہ عالم ہے کہ دوسروں کی طرف سے نگاہیں ہٹ گئی ہیں اور صرف اپنے داخلی اور خارجی حالات و موثرات پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں۔ اصولِ تعمیر و اصلاح کا تقاضا بھی یہی ہے کہ گھر کی چہار دیواری مضبوط کی جائے کہ نقب زنی کے خطرات کا استحصال ہو اور پھر اس کے بعد ماحول کے خارجی پہلوؤں پر صرفِ نظر کیا جائے۔ حیرت ہے کہ اہلِ بصیرت اس ضروری شق سے کیوں عدم توجہی برت رہے ہیں۔

حضرت امام ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حسبِ ذیل آیت کریمہ کی تفسیر و تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ
یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ۔

وہ فرماتے ہیں: خود کلامِ الٰہی اور منشاءِ ربانی کے اولین مخاطب اہلِ مکہ اور قریش تھے اور یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے بھی اولین مرکزِ تربیت انہیں کو قرار دیا۔ حالانکہ

اسلام ساری دنیا کے لیے علَم انسانیت بن کر مبعوث ہوا لیکن اصول تعلیم وتعمیر بھی یہی تھا کہ ہادیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قریش اہل مکہ اور پھر حوالیِ مکہ میں تبلیغ دین کی مہم کا آغاز فرماتے اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی انسب طریقہ اختیار فرمایا جو منشاء الٰہی کے عین مطابق تھا۔ اور پھر قریش اور اہل مکہ کے واسطے سے سارے جزیرہ عرب اور دوسرے خطہ ہائے ارضی کو اسلام وقرآن کے پیغامات کا مخاطب قرار دیا جو بابرکت اور حسین نتائج اس بنیادی و اساسی اصول تبلیغ واصلاح سے پیدا ہوئے ان سے کون بے خبر ہے۔ آج پھر وقت اسی محور پر ناچ رہا ہے اور تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ارشادات قرآنی سے اپیل کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی مجلسی اور معاشرتی زندگی کا شرعی طور پر احتساب کیا جائے اور صدیوں سے اسلامی تصورات پر جو گرد وغبار پڑا ہوا ہے اسے صاف کر کے عظمت رفتہ کی بازیابی کی کوشش کا اجرا کیا جائے۔ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی دنیا جہان کے خارجی اثرات سے اثر پذیر ہو رہی ہے اور دراصل وہ صورتاً اور سیرتاً اسلام اور قرآن اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنے بیگانہ اور بے تعلق ہیں کہ مخالفت کا کوئی بھی مغالطہ انہیں ان کے کمزور ایمان اور اعتقاد سے الگ تھلگ کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ زندگی اور زندگی کا ہر زاویہ اس قدر غیر اسلامی طرز میں ڈھلتا جا رہا ہے کہ آسانی سے ان کے مستقبل کے متعلق کوئی پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے یہ ایک چوک ہے جو اس وقت ہر مومن دل ودماغ کو تڑپا رہی ہے۔ ہم فکر کرتے ہیں آگے بڑھنے کا عزم کرتے ہیں اور پھر ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں۔ کیا اب مسلمان کی معاشرت ان کا تمدن، ان کی تجارتی اور علمی تگ ودو اسلام کے متعینہ محور پر آنے کی طاقت کھو چکی ہے۔ قرآن کریم نے تو ارشاد فرمایا تھا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الخ۔

ترجمہ: فرما دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری نمازیں اور میری قربانیاں اور میری

ساری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا پیدا کرنے والا ہے۔

قرآن کریم اپنی حکیمانہ تعلیم میں اصول زندگی کی جو جامع تعلیم فرماتا ہے ان میں یہ ایک بڑا بنیادی اصول زندگی ہے جس کے بغیر اللہ اور رسول کی بارگاہ میں کسی مسلمان کا کوئی عمل قابل قبول نہیں اور نہ ہی اس کا ایمان معتبر ہے۔ یہی بنیادی اصول زندگی ہے جس کی بار بار قرآن کریم تکرار فرماتا ہے اور مسلمانوں پر جس کا قبول واختیار فرض ہے۔ اسی اصول حیات کی تشریح وتصریح فرماتے ہوئے وہ اس سے پہلے ارشاد فرماتا ہے کہ

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا الخ۔

ترجمہ: اے اہل ایمان ڈرو اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ ڈرنا چاہئے۔ ہاں دیکھو دنیا سے نہ جاؤ مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم رہو اور سب مل جل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔

جماعتی زندگی کی تعمیر وترقی کا جو زریں اصول اس آیت کریمہ میں بتایا جارہا ہے کہ اس کی برکتوں سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اصول کی پختگی اور جماعتی نظام میں قدروں کی مشترک یکسانیت اور حصول مقصد کی راہ میں استقامت وپامردی یہ ایسی بے بہا دیعتیں اور صلاحیتیں ہیں کہ ان کے بغیر دنیا کا کوئی نظام خواہ وہ روحانی ہو یا سیاسی منزل ارتقا تک نہیں پہنچ سکتا۔ شاہ راہ زندگی کی ہر خوش نصیبی وکامرانی اس جماعت کا قدم چومتی ہے جس کے کردار میں اصول کی پختگی نصب العین کی پابندی اور حصول مقصد کی دیوانگی کا لوچ پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ حسین ٹکڑا جو خشیت الٰہیہ کا تابناک تصور اور حیات وممات کا بہترین اور ارفع ترین اصول تعمیر وارتقاء پیش فرمارہا ہے اگر اور دوسری بہت سی روشن اسلامی حقیقت پسندیوں کو سامنے رکھ کر اس پر صرف نظر کیا جائے تو ہماری موجودہ تعمیر وترقی کی راہ میں حائل محرومیوں اور ناکامیوں کا بڑی حد تک استیصال ممکن ہے۔

سوشل ازم اور کمیونزم کی اس دنیا میں مسلمان اگر تھوڑا بھی اسلامی تصور حیات کو

جانچنا اور پرکھنا چاہے تو ہم کہیں گے کہ ہماری جیت ہے۔ لیکن ماتم اس بات کا ہے کہ وہ اپنی نادانستگی اور فریب خوردگی کا ایسا شکار ہے جس کی پرواز تخیل قرآن و اسلام اور اسلامی تصور حیات کی بلندی و ترقی پسندی کو جانچنے اور پرکھنے کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔ حالانکہ قرآن کریم کا فیصلہ تو یہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ الخ۔

بیشک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ حیات ہے۔

یہی نہیں۔ لیکن قرآن اور اسلام نے زندگی کی بناوٹ اور برائی کے نئے نئے جو لازریں اصول متعین فرما دیئے ہیں وہ دنیا کی دستاویزات ہدایت کا حرف آخری ہے۔ زمانہ اس میں سو جہ تر رہا ہے۔ ناحق شکایت روز کار کا افسانہ بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ حالانکہ کی مومن و مسلم کے لئے اس دنیا میں کبھی خوف و ہراس نہیں۔

اے کاش مسلمان اسلامی تصور حیات کو اپنانے والے ان تابدار نمونوں کو سامنے رکھتے۔ انگلوں نے دنیا کی تاریخ کا عنوان اپنے حوصلۂ الوہی کی تگ و تاز سے بدل ڈالا اور یہ اسلامی تصور حیات ربع مسکوں پر ایک ابدی روشنی بن کر چھا گیا۔ قیصر و کسریٰ کے اپنائے ہوئے تصور حیات نے اسی تصور کو قبول کر کے ترقی کی معراج حاصل کی۔ آخر آج کا مسلمان اتنا کیوں سراسیمہ ہے کہ وہ اب اس تصور کو اپنانے سے جی چرا رہا ہے۔ حالانکہ اسے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ جن مسلمانوں نے اپنی زندگی غیر اسلامی بنانے کے ظلم کا ارتکاب نہیں کیا یقیناً وہ خدا کی زمین پر ایمن یافتہ اور ہدایت یافتہ ہیں۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ۔ و

مَا تَوْفِيْقِيَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

عام طور پر آج کی انسانی سوسائٹی اور خاص طور پر مسلمانوں کی عوامی یا معاشرتی زندگی تین طرح کی کشمکشوں سے دو چار ہو رہی ہے پہلی قسم کی کشمکش یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنے مذہبی اور معاشرتی معتقدات وتصورات سے بے تعلق ہو کر صرف جدید تقاضوں اور قدروں کے پجاری ہیں ان کے سامنے کل جدید لذیذ ہی کی دل فریبیاں حاصل زندگی ہیں اور ہر نئے تقاضے اور نمائشی اسلوب زندگی کے لئے ان کا دامن قبول پھیلا ہوا ہے رنگ و بو سادہ لوح مسلمان بھی اس فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس کی دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنی عملی وفکری کمزوریوں میں مبتلا ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ تو اس قسم کے لوگ اپنے فلاح سمجھتا ہے کیونکہ آبائی ماحول سے بغاوت کی جرأت کچھ کر انبار اور کچھ شدائد کی موجب ہوتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی عوامی زندگی اور معاشرتی تہذیب وشائستگی کا معاملہ اپنی نوعیت میں دوسروں سے قطعی مختلف ہے۔ مسلمانوں کی عوامی اور معاشرتی زندگی محاسن کا ایک پیکر جمیل ہے اور اسلامی تصورِ حیات کی دلکش رعنائیاں اسے دلکش وحسین تو بنانے میں معاون ہیں۔ ہماری اصطلاح میں اسلامی تہذیب اور اس کے محاسن سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی عوامی زندگی کے اصلی خط وخال میں پاکیزہ طرز معاشرت روحانی فکری بلندیوں فنون لطیفہ ترقی پذیر مادی احساسات اور عالمگیر انسانی یکجہتی کے پاکیزہ جذبات کی تمام صلاحیتیں اور طاقتیں شامل ہیں۔ جسے ضروریات وقت کے رنگ وروغن سے متوازن بنا کر مسلمان اپنی اجتماعی زندگی میں خوشگوار امتزاج وہم آہنگی کا شاندار منصوبہ بنا سکتے ہیں۔ صالح اجتماعیت انہیں قدروں کی تعمیل وتشکیل سے معرض وجود میں لائی جا سکتی ہے۔ اس طرح سوسائٹی

معاشرت وتمدن کی بلندی تک پہنچ کر ایک معیاری سوسائٹی بن جاتی ہے۔تہذیب وشائستگی
کی اس منزل پر مسلمانوں کی عوامی زندگی زمانے کو اپنا ہم سفر بنانے کی استعداد سے بہرہ ور
اور وقت کے تقاضے اس کی متابعت ورفاقت کو اپنے لئے موجب ترقی سمجھتے نظر آئیں گے،
اسلامی تصور حیات کا یہ پیکر جمیل ہماری دینی وروحانی زندگی کا مقصود منتہائے، اس کشمکش کی
تیسری قسم سب سے زیادہ قابل توجہ اور نقد وتبصرہ کی محتاج ہے۔اس قسم میں شریک افراد
اپنے پس منظر کی سازشی چالوں کو روبراہ لانے میں زیادہ چاق وچوبند ہیں اس قسم میں
قوموں اور سوسائٹیوں میں گھلے ملے وہ افراد ہیں جو اپنی قومی اور سیاسی عصبیتوں کی بنیاد پر
معاشرت وتمدن کے ہر حلقہ میں جدید قدریں اور تقاضے اور مفاد پسندانہ فارمولوں کے قبول
کئے جانے پر زور بیان صرف کررہے ہیں اور اصرار ہے کہ ان کے قبول کے بغیر منزل ارتقا
تک پہنچنا دشوار ہے۔تاریخ عالم کے رنگین اوراق پارینہ کمزوروں اور عظمت رفتہ،
جماعتوں کی مذہبی وسیاسی اور معاشرتی وروحانی موت کے انسانوں سے بھرے پڑے
ہیں۔بنی اسرائیل کے روحانی اور معاشرتی ورثہ پر فرعون اور اس کے درباریوں کا ہلّہ بولنا
اسی تصویر کا ایک رخ تھا۔اور آج بھی سوسائٹی میں گھلے ملے مصلح یا یوں کہئے کہ بیسویں
صدی کے آزاد مشرب مجدد دین جماعتوں کی عوامی زندگی پر اسی طرح قابو پانے کی کوشش کر
رہے ہیں۔مسلمانوں کی عوامی زندگی میں جب تک اسلام کی سچی روح اور اس کا پیش کردہ
اسلوب کارفرمارہا وہ طوفانی تھپیڑوں اور بجلیوں کی باڑھ سے بھی ہنستے کھیلتے آگے ہی بڑھتے
رہے لیکن اب کہ حالات کا رخ ناموافقوں پر موقوف ہورہا ہے، ان کے ملی احساسات کا
تحفظ فرض اولین کا درجہ رکھتا ہے۔اسلامی مورخ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں ان
حقائق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:

"ان النفس ابدًا لعتقد الکمال فی من غلبھا وا تفادت
الیھا۔ امالنظرہ بالکمال بماوَقُرَ عندھا من تعظیمہ
اولما اتغالط بن من ان انقیادھالیس بغلب طبعی

اتماھو الکمال الغالب ولذالک تری المغلوب یتسنیة ابدًا بالغالب فی مبلسہٖ ومرکبہ وسلاحہٖ فی اتحاذھا واشکالھا وفی سائر احوالہٖ وغیرھا"۔

ترجمہ: انسان ہمیشہ اپنے اوپر غلبہ حاصل کرنے والے کے کمال کا معتقد ہوتا ہے اور اپنے اقوال واعمال میں غالب کے عنصر کی اتباع و پیروی کرتا ہے۔ یہ بات محض اس لئے ہوتی ہے کہ مغلوب اپنے غالب عنصر کو بلند وبرتر سمجھتا ہے۔ اگرچہ یہ اتباع وپیروی محض مغالطہ ہی پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن طبعی طور پر غالب عنصر کا اسے کمال ہی کہا جائے گا۔ اور دیکھتے ہو کہ وضع قطع۔ رہن سہن۔ کھانا پینا۔ اور شکل وصورت غالب عنصر بنا لینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی جاتی وغیرہ۔

فرض کیجئے کہ کسی جماعت کی عوامی یا معاشرتی زندگی کا وقتی انتشار وہیجان جبر و اکراہ کے ساتھ جدید قدروں اور تقاضوں کو قبول کر لیتا ہے اور اس رو میں اپنا ملّی وآبائی فکر و احساس اور مذہبی وقومی ورثہ اپنے ہاتھوں آپ ہی تباہ وبرباد کر دیتا ہے۔ نئی تعمیر کا خوش آئند ولولہ حوصلہ پرانے معتقدات کے یادگار زمانہ کھنڈرات پر جگایا جاتا ہے تو کیا وقت کی نبض پر ہاتھ رکھنے والا حکیم ان دھڑکنوں کو محسوس نہیں کر سکتا جو اس پوری شکست وریخت میں پیدا ہوتی اور ابھرتی رہتی ہیں۔ ملی احساس کی یہی دھڑکنیں مسلمانوں کو چونکا رہی ہیں کہ وہ مرض کا صحیح علاج کریں ورنہ اس پس منظر میں تخریب وجانکنی کا ایک ایسا دردناک شاخسانہ وغم و ماتم کناں پایا جائے گا۔ جس کا اثر مدتوں اور صدیوں ہمیں غمناک کرتا رہے گا ابن خلدون اپنے مقدمہ کی پانچویں فصل میں لکھتا ہے۔

"اہل عصبیت اگر تعداد وقوت میں دینی دعوت کے علم برداروں سے نمایاں طور پر زیادہ ہیں اور حالات کا موافق رخ ان عوامل کی کارگذاریوں کا سروسامان بھی اکٹھا کر رہا ہے تو ناگزیر ہے کہ دینی

دعوت کے علمبرداروں پر ان کی قلت تعداد اور طاقت وقوت کی کمی اور کمزوری کی وجہ سے ہلہ بول دیں اور غلبہ واقتدار حاصل کرنے کی کوشش کریں اور یہ بات خاص طور پر اس وقت زیادہ سنگین نتائج کی حامل ہوتی ہے جب دین کا رنگ مدھم پڑ جاتا ہے اور دینی اجتماع کے نظم وقیام میں اہل دین کی بدبختیوں اور گمراہیوں سے فساد رخنہ ابتری اور کمزوری نمایاں ہو جاتی ہے تو انہیں مخالف عوامل کے ہاتھوں دین کا شیرازہ، بکھر کر رہ جاتا ہے اور عوام عصبیت کو پوری شدت وطاقت کے ساتھ غلبہ اقتدار حاصل کرنے کے رنگین مواقع میسر ہو جاتے ہیں۔''

فتوحات اسلامیہ کی پوری تاریخ دنیا کے سامنے ہے لیکن خود تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ مسلمانوں کا طرز جہانبانی دنیا کے معیار سطوت واقتدار سے کتنا مختلف اور الگ تھا۔ اسلام نے دنیا کو پہلی بار مساوات حقوق اور مساوات قانون کی نعمتوں سے روشناس کر کے انسانی معاشرت اور تمدنوں کو پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کی جو سہولتیں بخشیں ان سے انکار ممکن نہیں۔ ربع مسکوں کی پوری تاریخ ان حقائق سے بھرپور ہے۔ اسلامی تصور حیات کی دل آویز دلکشی اور جاذبیت نے انسانی ٹولیوں کو نشوونما کا سنبھالا دیا اور کمزوروں محنت کشوں کو الٰہی قانون حیات نے یکجہتی اور برابری کی نعمتوں سے مالا مال کیا۔ افریقہ کے بربر قبائل اور دوسرے خطوں کے وحشی اور نامہذب انسانوں کو سلطان اور وقت کے سربراہوں کے دوش بدوش کھڑا کرنے والا عالمگیر قانون اسلامی تصور حیات کا ناقابل انکار عطیہ ہے جس سے نسل انسانی آج تک بہرہ اندوز ہو رہی ہے۔ لیکن حقائق وواقعات کے اس رنگیں تسلسل میں ایک بات ہر دور میں حوصلہ شکن ثابت ہوتی رہی ہے۔ خود مسلمانوں کے ساتھ اور ان کی ملی ومعاشرتی زندگی نشوونما کے ساتھ دنیا کو برتاؤ اور قوموں کا سلوک ہمیشہ دل شکن اور قیامت آفرین رہا اور وقت کی معاندانہ گھاتیں اسلامی احساسات کی عکاسی میں ہمیشہ آڑے آتی ہی ہیں۔ جزیرہ سسلی میں جب مسلمانوں کی حکومت کا چراغ

گل ہو گیا اور عیسائیت نے از سرنو قدم جمائے تو مسلمانوں کی ملی عوامی زندگی پر ظلم وتشدد کی وہ جگر پاش بجلیاں کوندائی گئیں کہ سسلی کی پوری مسلمان آبادی گھائل اور مجروح ہو کر رہ گئی۔ اسلامی مورخین نویری، ابوالفلاء اور ابن اشیر بیک زبان لکھتے ہیں کہ عیسائی فاتح راجر اول جب سسلی پر قابض ہو گیا اور ۱۰۴۴ء سے ۱۰۸۴ء تک اس نے سسلی کے چپہ چپہ پر مسیحیت کا علم لہرایا اور اپنی قربانی طاقت وقوت کے زعم میں مسلمانان سسلی کے کلچر اور مذہب کو ناکام اور برباد کرنے کا اس نے بیڑا اٹھایا تو ان تمام معاہدوں کے خلاف ورزی کی جو اس نے اسلامی شہروں اور مسلمانوں سے کئے تھے۔ جنوبی اٹلی ناروے اور فرانس کی عیسائی جماعتوں کو سسلی میں لا کر آباد کیں اور ان کے حقوق ونگرانی کی قومی اور سیاسی دستاویزی متعین کیں اور مسلمانوں کے معابد اور ان کی آباد بستیوں پر عیسائیوں کو متغلب قرار دے کر مسلمانوں کے شہری حقوق یکسر تلف کر دیئے۔ اسلام میں داخل ہونا جرم قرار دیدیا۔ مسلمان نظام حکومت سے الگ ہو ہی چکے تھے۔ معیشت واسباب ووسائل حیات کے تمام دروازے بھی ان پر یہ جبر بند کر دیئے گئے۔ صنعت حرفت تجارت اور علوم وفنون کے تمام شعبے ان سے خالی کئے گئے اور ان کی جگہ نو آباد عیسائی کو برسر اقتدار لانا شروع کیا۔ سسلی کے مسلمان باشندوں کے لئے کوئی حمام کوئی پن چکی اور کوئی تنور باقی نہیں چھوڑا گیا تاکہ مسلمانوں پر جینا دوبھر ہو جائے اور وہ سسک سسک کر دم توڑ دیں اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ عام طور پر سسلی کے گلی کوچوں میں پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں تحریر و تقریر کے ذریعہ ناملائم اور گستاخانہ شرارتوں کا تانتا بندھ گیا۔

ماضی اور حال کی ان عبرتناک ناموافقتوں میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں دوچند زیادہ ہو جاتی ہیں۔ ایک طرف تو ان کا دینی فریضہ تبلیغ اور ملی تقاضائے ارتقا ان کا دامن کھینچ رہا ہے اور دوسری جانب موجودہ عالمی بحران کی روح فرسا کروٹیں ہیں۔ دنیا کا مزاج معاشرتی تمدن اور اخلاقی بے راہ روی سے گھبرایا اور اکتایا ہوا ہے۔ مجلسی اور گھریلو ہر شعبہ زندگی میں قدامت اور جدت کے درمیان رسہ کشی ہے۔ غرض موجودہ زندگی کا خط وخال

مختلف دھبوں اور رنگوں سے رنگین اور آلودہ ہو رہا ہے۔ وقت کے ہاتھوں دوری اور نزدیکی کا نرق سمٹ چکا ہے اور رنگ و نسل کی کھلی ملی آمیزش نے اضطراب در اضطراب شورشیں پیدا کر رکھی ہیں زمانہ اس رستخیر میں کسی کے موافق اور کسی کے مخالف جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی عوامی و ملی زندگی بھی اسی زد میں ہے۔ تخصیص کے ساتھ کسی ایک ملک کا مسلم معاشرہ ان خطرات و مہلکات سے دوچار نہیں بلکہ عام طور پر دنیا کے ہر گوشہ کا مسلمان ان مخالف رجحانات سے دوچار ہے۔ جہاں کوئی نام نہاد اسلامی نظام قائم ہے وہاں بھی ان مخالف رجحانات کی کارفرمائی کا یہی عالم ہے۔ اس عالمگیر کشمکش میں پوری صلابتِ اسلام کے ساتھ مسلمانوں پر یہ دینی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ قرآن کریم کے پیش کردہ فلسفۂ اصلاح و ارتقا اور اسلامی تصورِ حیات کی تعمیل و تشکیل کا بندوبست کریں اور قوموں کی اس کشمکش کو دور کرنے کا اہتمام کریں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

مسلمانوں کی عوامی زندگی اور وقت کے جدید تقاضے

قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں انقلابات عالم کی بے شمار تصویریں ملتی ہیں لیکن مسلمانوں کی عوامی زندگی کا عالمی بحران اپنی خصوصیات کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ قابل غور وفکر ہے۔ تاریخ کی روشنی میں یہ فیصلہ کچھ مشکل نہیں کہ وقت و ماحول کی پیداوار سماجی نظاموں کا بدل جانا اور زمانے کے جدید تقاضوں کو قبول کر لینا ان کے اپنے احساسات پر بار گراں نہیں ہوتا کیونکہ ان کا ادلتے بدلتے رہنا ہی ان کی ترقیاتی رو کی بقا پر موقوف ہے۔ لیکن مسلمانوں کی عوامی زندگی کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ ان کے ملی احساسات کی بنیاد رنگ و نسل اور مرز بوم کے کمزور اثرات کی رہینِ منت نہیں۔ کسی خطۂ زمین کا سماجی نظام جو حالات کے تحت پیدا ہوتا رہا ہے۔ آسانی سے زمانے کی دعوت پر لبیک کہہ سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے سماجی نظام کو جب کوئی خارجی اثر چیلنج کرے گا تو اسے فوری اور

سرسری طور پر محرومی اور ناکامی کا منھ دیکھنا ہوگا۔ بات بالکل روشن ہے۔ اس نظام کی اساس و بنیاد ایک ابدی اور لازوال ہمہ گیر آفاقی حقیقت پر ہے جس کا تانا بانا عالمگیر انسانی قدروں پر مشترک ہے اور جسے دنیا کے ہر خطے کا قلب سلیم رنگ و نسل کے اختلافات کے باوجود کسی نہ کسی ڈھنگ پر اپنائے ہوئے ہے اور جسے خالق کائنات نے نوع انسانی کی تحصیل سعادت کے لئے سورج کی کرنوں سے زیادہ صاف وشفاف بنا کر انسانوں کے سامنے مذہب فطرت قرار دے کر اپنے برگزیدہ بندوں کے توسل سے پیش فرمایا ہے۔ قرآن کریم اس حقیقت کی عکاسی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ روم)

ترجمہ: یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو۔ اللہ کی دی ہوئی قابلیت کی پیروی کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی حقیقت کو ادلنا بدلنا نہ چاہئے۔ بس سیدھا دین یہی ہے اور اگرچہ اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ مسلمانو خدا کے بخشے ہوئے اس نظام حیات پر مستقل مزاجی اور یکسوئی سے جمے رہو اور ٹھیک ٹھیک طور پر فطرت الٰہیہ یعنی اپنے دینی نظام کو قائم رکھو اور اسی پر اپنی زندگی بسر کرو اور اس کے چھوڑ دینے کے سخت ترین عواقب و نتائج سے ڈرو۔ نمازیں قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔ (سورہ: روم، پ: ۲۱)

ہر مسلمان پر جب تک وہ اپنے آپ کو حلقہ اسلام میں داخل و شامل سمجھتا ہے یہ دینی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس دینی نظام کے اندر رہ کر اس کے بقاو قیام میں سرگرم عمل رہے اور دینی یکجہتی کے اس عالمگیر مشن کو کسی طرح اس کے قول و عمل سے نقصان نہ پہنچے یہی نہیں اس سلسلے کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ تمام عالم میں اسلامی نظام حیات کو پھیلانے اور قبول عام کی خوشگوار فضا پیدا کرنے کی تمام ذمہ داریوں کا بھی حامل ہے۔

قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں مسلمانوں کے عروج وزوال کی سرگذشت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ نامبارک کوششوں کے باوجود زمانے کی ستم ظریفیاں اسے مٹاڈالنے اور محو کرڈالنے پر قابونہیں پاسکیں ہیں۔ اور یہ دراصل اس کے مثبت تقاضوں کی روشن دلیل ومثال ہے۔

عالمی سیاست کا جدید مزاج ارتقا اپنے بلند بانگ معاشرتی تمدنی اور اقتصادی ترقی کے دعووں کی راہ میں اسے سنگ گراں سمجھ کراس کو ہٹانے کی کوشش کررہا ہے لیکن یہ اتنا وزن دار ہے کہ ہٹتا نظر نہیں آتا۔ اور مجبور ہو کر وقت کی مصلحت اندیش انسان دوستی کا نمائشی منصوبہ اسے اپنے ساتھ سمیٹے رکھنے ہی میں بہتری سمجھتا ہے۔ یہ خارجی عوامل چپکے چپکے مسلمانوں کی داخلی عوامی زندگی میں جدید عالمی تقاضوں کے نام پر چھاجانے کی تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے کی ایک داخلی کڑی سب سے زیادہ خرابی کی محرک ہے۔ مسلمان سربراہ شخصیتیں اس عالمگیر رستخیز میں اسلامی نظام کے بقاوقیام کی جدوجہد کی طرف سے قطعی غفلت وناندیشی برت رہی ہیں اور یہ ایک عجیب مخمصہ ہے جس سے دنیا بھر کا مسلمان دوچار ہورہا ہے۔ مسلمان اپنے عالمگیر ملی احساسات وتصورات کو جو ان کے دینی نظام کی اساس وبنیاد کا حکم رکھتے ہیں ان کی ہمہ گیر قوتوں کے باوجود پورے طور پر روبراہ لانے کا تشفی بخش میدان تیار کرنے سے دامن بچا کر ایک بڑی دینی بے راہ روی کا ارتکاب کررہے ہیں۔ جو ان کے مستقبل کی شاندار تعمیر کی راہ میں خوبی وکمال کے بجائے ادھوراپن اور ناکامی کا سبب بن رہی ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم جن کی شخصیت جلیلہ آج مینار وراہنما کی حیثیت رکھتی ہے اپنی چوبیس سالہ جلاوطنی کے بعد ۱۹۳۹ء میں جب ہندوستان واپس آئے تو انہوں نے اہل ملک اور مسلمانوں کو بتایا تھا کہ انقلاب کی لہریں کس تیزی سے ہمارے دینی نظام کو تہ وبالا کردینے کی سازشیں کررہی ہیں اور آج ان کے اشارات حقیقت بن کر ہمارے سامنے انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں ایک عالمگیر انقلاب کے میلان کو اپنی آنکھوں سے امڈتا ہوا دیکھ آیا ہوں۔ یہ سیلاب موسمی جھکڑ نہیں ہے کہ آیا اور نکل گیا۔ عہد حاضر کے جدید

تقاضوں کا یہ بہاؤ معاشرہ و تمدن اور مذہب و سیاست سب کو بہا کر لے جانے پر تلا ہوا ہے۔ یہ انقلاب قوموں اور نظاموں کو ایک دن ملیامیٹ کر کے رہے گا۔ اس انقلاب کا نعرہ ہے کہ مزدور و کسانو، محنت کشو، اٹھو اور اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں آپ تعمیر کرو۔ جو تمہارے آڑے آئے اسے مٹا دو۔ علم، مذہب، اخلاق اور تمدن جو بھی تمہاری راہ روکے اسے مٹا ڈالو، برباد کر ڈالو۔ اس انقلاب کی دعوت ایک معاشی فلسفہ پر ہے اور اس کی دعوت کے اجزائے ترکیبی میں مساوات اور خوشحالی کے منصوبے رہے ہیں۔ مولانا [illegible] اپنے رسالوں میں اس بلاخیز انقلاب کی تباہ کن لہروں سے بچنے کے لئے قرآن کریم کے دینی نظام کے استحکام و قیام کو نسخۂ شفا بناتے ہیں۔ جو تمام الہامی کتابوں کی انقلابی تعلیمات کے بنیادی اصولوں کا محافظ اور جامع ہے۔

جدید تقاضے اور منصوبے

دنیا کے مختلف گوشوں میں نئے نئے منصوبوں اور معاشرتی اصلاح کے جدید تقاضوں کی جو تصویریں سامنے آرہی ہیں ان کا واضح اور نمایاں رخ یا تو براہ راست مسلمانوں کے دینی عوامی نظام زندگی کی طرف ہے یا کہیں بالواسطہ اور ضمنی طور پر مسلمان عوام ان سے اثر پذیر ہورہے ہیں، ان تقاضوں اور منصوبوں کا پس منظر مسلمانوں کے حق میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ان کی ملی خصوصیات اور اسلامی معاشرت کے بلند کردار تقاضوں کو معزول اور ناکارہ بنا کر انہیں عضو معطل بنا دیا جائے۔ یہ منصوبے دعویدار ہیں کہ ان کا پیش کردہ فارمولا ہی اصلاح و ترقی کی دستاویز کا حرف آخر ہے اور انسانی سوسائٹی کے ترقی پذیر حوصلوں کی نشوونما کا اس سے بہتر اور کوئی سامان نہیں کیا جاسکتا۔ انقلاب فرانس کے دعویٔ اصلاح و ترقی کی رستاخیز اور ارتقاء یورپ کی حسین تصویروں کا رنگ و روغن تو دنیا کے سامنے آچکا ہے اور اب بیسویں صدی کا انقلابی ہیرو انسانیت کو للکار رہا ہے۔ لیکن زندگی تہذیب نفس سے دور تر ہی ہوتی جارہی ہے اور انسانیت اپنی حقیقی نشوونما سے یکسر خالی نظر آرہی ہے۔ ظلم کو انصاف اور پستی کو بلندی کہنے والے خاص طور پر مسلمانوں کی اسلامی امنگوں کو نشانہ بنا کر اسلام کی عالمگیر روح ارتقا کے استیصال کا اہتمام کررہے ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ

وقت اور ماحول کی پیداوار سماجی نظاموں کے حق میں یہ رستخیز ممکن ہے کہ مفید ثابت ہو لیکن اسلام کے روحانی اور دینی نظام کی راہ میں یہ ایک چیلنج ہے اور آج اگر مسلمانانِ عالم کی بے راہ روی نے اسے نظر انداز کر کے انہیں اور من مانی کرنے کی مہلتیں دے دیں تو وقت کی بے لاگ تنقید گواہ ہے کہ مستقبل کی تصویر میں یہ سیاہی ایک شرمناک نقطہ بن کر نمایاں ہوگی جس کا مٹانا اور ختم کرنا عالمگیر اسلامی معاشرہ کے قابو سے باہر کی بات ہوگی۔ زندگی اجتماعی ہو یا انفرادی اس کی تعمیر و تنظیم میں کچھ داخلی و خارجی عوامل کی کارفرمائی خود زندگی کی تکوین کے لئے ضروری ہے۔ مسلمانوں کی عوامی زندگی میں جو داخلی و خارجی عوامل نشو ونما کا کام انجام دیتے ہیں ان کی بنیاد اس خالص قرآنی اور روحانی نظامِ حیات پر ہے جو تکمیل انسانیت کے حق میں اکمل ترین اور صالح ترین فلسفہ وحیات مانا گیا ہے۔ جس کے تمام اجزائے ترکیبی آپس میں ایک دوسرے سے اس استواری اور خوشگواری کی پاکیزگی میں جڑے ہوئے ہیں کہ کسی شق کو دوسری شق سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے۔ مذہب، عبادات، سیاست معاشرت تمدن علوم و فنون مادی رجحانات و وسائل اور اخلاقی اقدار ان میں سے کوئی رخ بھی اپنے دوسرے رخوں سے الگ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ سادہ لوح مسلمان اگر کسی رخ کو یہ سمجھ کر چھوڑ دینا چاہے کہ اس ترک سے اس کی اسلامی زندگی میں کوئی رخنہ پیدا نہیں کرے گا تو یہ اس کی فاش غلطی ہے اور اس کے ہاتھوں پاکیزہ اسلامی تصورِ حیات کو ایک شدید تر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے وقت کی افراتفری کا یہ حسین مغالطہ ہے جو کتنے ساہ لوح مسلمانوں کو اسلامی نظامِ حیات کی سعادتمندیوں سے دور تر کرتا جا رہا ہے۔ کوئی معمولی سے معمولی غیر اسلامی بات جو بادی النظر میں کسی اہمیت کی مالک نہ ہو اس کا قبول اسلامی روحِ ارتقا کے حق میں بڑی سے بڑی غلطی کے مترادف ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کی عوامی و ملی زندگی پر نظر رکھنے والے اگر گہری بصیرت سے ان حقیقتوں کا مطالعہ کریں اور ملت کے عوامی احساسات کے صحیح موقف کے تعین کا فیصلہ کرنا چاہیں تو تمام مشکلات کا حل آسانی سے نکل سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ اس رخ پر غور و فکر کرنا اب ہمارے شایانِ شان نہیں رہا۔

رہبانیت کی حقیقت کتاب وسنت کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن اور اس کے آخری رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جسے خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ مبارکہ میں پیش فرمایا ہے۔ ارشاد اقدس ہے:

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ اما بعد فان خیر الحدیث کتابُ اللّٰہ وخیر الهدی محمد الخ (رواہ مسلم)

بارگاہ نبوت کے جلیل القدر صحابی حضرت جابر سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ بے شک تمام باتوں میں احسن تر کلام اللہ کا کلام قرآن ہے اور تمام سنتوں اور سیرتوں میں بہتر تر سنت وسیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وسیرت ہے۔ اسی بلند حقیقت کو صحیح بخاری کی ایک حدیث

میں جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے واضح کیا گیا ہے کہ **ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سُنّتی** ٭ رواہ البخاری۔ یعنی لوگو! میں نے تم میں دو ایسی حقیقتیں باقی رکھ چھوڑی ہیں کہ جب تک تم انہیں استقامت و پامردی کے ساتھ سرچشمۂ ہدایات و سعادت سمجھ کر مضبوطی سے پکڑے رہو گے عالم ہستی کا کوئی تغیر اور زمانے کا کوئی انقلاب ہرگز ہرگز تمہیں گمراہ نہ کر سکے گا وہ پہلی ہدایت اللہ کی کتاب قرآن ہے اور دوسری ہدایت میری سنت یا سیرت ہے۔

اسی سیرت مقدسہ کو قرآن حکیم اسوۂ حسنہ سے تعبیر فرماتا ہے: كَمَا قِيلَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ الخ۔ البتہ بے شک تمہارے طرز حیات کی تعمیر و تشکیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی میں بہترین نمونہ ہے اور پھر مشہور حدیث میں یہ ارشاد خاص طور پر قابل توجہ ہے **فعلیکم لسُنّتی وسُنة الخلفاء الراشدین المھدیین**۔ یعنی پس تم لوگوں پر واجب ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ جانشینوں کی سنت یا سیرت کو اپنے لئے شمع ہدایت قرار دو۔

معلوم ہوا کہ اسلامی نظام حیات کا کوئی شعبہ اور قوانین شریعت کا کوئی گوشہ مسلمانوں کی دنیوی زندگی کا کوئی زاویہ اور امت کی دینی وروحانی حیات کا کوئی دائرہ اگر اس قرآنی معیار پر پورا نہیں اترتا اور اس کا حقیقی ماخذ و منبع کتاب و سنت نہیں تو ہرگز ہرگز اسے اسلام قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلبی تعلیم و دعوت سے کوئی رابطہ اور کوئی علاقہ حاصل نہ ہوگا دراصل پیروان اسلام کا یہی وہ بابرکت دینی سرمایہ ہے جس کا اتلاف وضیاع کتاب و سنت کے بلند مقاصد و محاسن کا اتلاف وضیاع ہے اور اس کا تحفظ اور اس کے ایک ایک زریں اصول کا بقاء و قیام دین متین کے قصر ہدایت کا استحکام ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد امت اور امراء امت اگر اس قیمتی سرمایۂ ہدایت و سعادت کو قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

منشاء مبارکہ کے مطابق اپنی عملی زندگی میں دستور و اساس بنا کر اس پر کاربند رہتے تو کون ہے جو اس حقیقت سے انکار کرنے کی جراُت کرے کہ امت کو دینی و دنیوی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ وہی معراج کمال حاصل ہو جاتی جو خود عہد نبوت اور خلافت راشدہ میں حاصل تھی۔ اور امت کے درمیان افتراق واختلاف کے وہ ہولناک فتنے کبھی سر نہ اٹھاتے جن کی خوں آشام لہروں نے قوائے ملت کے ہر گوشۂ اعتقاد و اعمال کو مسموم، ست اور مضمحل کر دیا۔ اور پھر یہ حقیقت ثابت ہے کہ کتاب وسنت کی پاکیزہ دعوت از اول تا آخر ہدایت ہی ہدایت ہے اور جس کا ماحصل پاکیزہ تر زندگی کی تنظیم وتشکیل خالص دینداری وتقویٰ کی تحصیل اور انابت وتقرب الی اللہ کی بلند تر توفیق وتقدس اور روحانیت وللٰہیت کے محاسن جلیلہ پر فتح ہے۔ قرآن کریم بار بار پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوتِ ارشاد و فلاح پر لبیک کہنے والوں کے خصائص بیان فرماتے ہوئے واضح فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَ
الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَ
الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ
الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: بے شک فلاح پائے ہوئے ہیں یہ مومنین صادقین جو اپنی نمازیں خشوع وخضوع کی لذتوں میں ادا کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو لغویات زندگی سے یکسر کنارہ کش ہیں اور اپنا دامن حیات تقویٰ کی چھاؤں میں بچا لے جاتے ہیں اور جو، زکوتیں ادا

کرتے ہیں مال کی یا اپنی جان کی نوازش اور صدقات کی صورتوں میں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور محرمات کے ارتکاب سے بچتے ہیں سوا اپنی بیبیوں کے یا ان عورتوں کے جو ان کی مملوکہ ہیں۔ پس بے شک اپنی بیبیوں اور لونڈیوں سے قربت کرنے کی صورت میں یہ ملامت کئے ہوئے نہیں ہیں۔ پس جو کوئی اپنی بی بی یا لونڈی کے علاوہ کسی اور کو چاہے تو وہ لوگ گذرنے والے ہیں حلال سے حرام کی طرف اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں پر۔ خواہ وہ امانتیں خود اپنی ذات کی ہوں اخلاقی روحانی معاشرتی وغیرہ یا یہ امانتیں دوسروں کی ہوں یا عہد و پیمان کی امانتیں ہوں یہ لوگ ــــ پوری پوری ان کی رعایتیں برتنے والے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کے قیام وادا کرنے پر پورے آداب نماز کی وابستگی کے ساتھ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ وہی ہیں کہ جنت الفردوس میراث میں اپنے اعمال کی پائیں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ آرام و راحت سے بسر کریں گے۔

ایک مقام پر ان اخلاص کے پیکروں کی یہ خصوصیات بیان کی جاتی ہیں کہ یہ صبر وقنوت کے مجسمے ہیں۔

كَمَا قِيلَ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ۔

یہ خاصان بارگاہ احدیت جو شدائد و محن میں صبر اختیار کرتے ہیں اور اپنے ہر قول و عمل میں صادق ہیں اور ہزار ناموافقتیں گھیرے ہوئی ہوں اللہ تعالیٰ کی نوازشات بے پایاں کی لگن ان کے دلوں کو مایوس اور اداس نہیں کرتی۔ اللہ کی محبت کی راہ میں اپنی استطاعت بھر بے دریغ خرچ کرنے والے ہیں ان کا فیضان تربیت مسلسل ہدایت ہے اور یہی لذت شناسان بادۂ معرفت ہیں جو حضوریِ حق کی چاشنی میں بھوروں کو اُٹھ اُٹھ کر اس

کی بارگاہ میں رو رو کر استغفار کی درخواستیں پیش کرتے ہیں۔

اور سوتے جاگتے کھڑے ہوتے بیٹھتے یہ ذکر اللہ میں شاغل رہتے ہیں۔ان کا پُرخلوص دل اور ان کی پاکیزہ زبان اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح اور تہلیل و تکبیر ہر لمحہ اور ہر وقفہ ہر حال میں کرتی رہتی ہے۔ان کی زندگی ان کی موت ان کی جاں نثاریاں اور قربانیاں اور ان کی تمام تر آرزوئیں اور مرادیں اس کی محبت کی تحصیل اور اس کی خوشنودی کی تعمیل کے روشن عنوانات ہیں۔یہ مخلوق کے غم گسار اور غریبوں یتیموں بے کسوں کے یار و مددگار ہیں اور انتہائی شدائد و محن میں بھی ان کا تکیہ صرف اپنے رب کے فضل و کرم پر ہے۔ان کی دنیا اور حیاتِ دنیا بھی اللہ کی خوشنودی اور رضاجوئی پر منحصر ہے۔اور ان کی عاقبت کی خیر و فلاح اور نجات و سعادت کی اُمیدوں اور آرزوؤں کا انحصار بھی اس کے بے پایاں انعام و الطاف پر ہے۔یہ اہل حق رمضان کے تیس دن روزے رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی سال کے اکثر ایام ان کے حالت روزہ میں بسر ہوتے ہیں۔یہ اس بابرکت مہینے کی راتوں میں تلاوت قرآن اور نماز و ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ان کے ذکر و فکر کی مجلسوں میں اور ان کے مراقبہ و مجاہدہ کی نشستوں میں اول و آخر ظاہر و باطن اللہ اللہ کا ہی ورد ہوتا ہے۔

ان کا ہر قول و فعل کتاب و سنت کے معیار پر پورا اترتا ہے اور یہ سرتاسر رہبر کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت کے اکمل و مکمل نمونے ہیں جو حقیقتاً اللہ کے کلام میں حزب اللہ کے خطاب سے مخاطب ہیں اور بے شک یہ حزب اللہ والے خالص اللہ والے اور فلاح یافتہ ہیں۔اور یقین کر لینا چاہیئے کہ یہی اللہ کے دوست ہیں کہ ان کو دین و دنیا میں شدائد محن کا کوئی خوف اور وقت و شیطان کی مخالفت کا کوئی دھوکا یا ڈر سراسیمہ نہیں کرتا۔اور قیامت میں حزن و ملال کی حواس باختگی ان کے دامن سے بھی مس نہ کر سکے گی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے خوش نصیبی، فیروزمندی، بامرادی اور عزت و سرخروئی کی انہیں بشارت ہے۔یہ

بشارت ان کی دنیوی زندگی پر بھی حاوی ہے اور عاقبت کی زندگی میں بھی۔ اور معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ان کی تمام خوش نصیبیاں اللہ کی طرف سے انعام ہیں فضل ہیں کرم ہیں اور بڑی زبردست فوز وفلاح پر موقوف ہیں:

كَمَا قِيلَ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝

قرآن کریم کی آیتیں اس بات کی بار بار ضمانت دے رہی ہیں کہ یہ حاملین کتاب وسنت اپنے ایمانی وروحانی دائرے میں خارج از کتاب وسنت اثرات کے قبول کرنے سے کلی طور پر منزہ ہیں۔ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ اصحابِ صفہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ جن کے اوصاف ومحاسن سے سارا قرآن حکیم بھرا ہوا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ ایک ہی وقت میں وہ اللہ کی مخلوق کے شفیق وغم گسار نگراں بھی تھے اور دینی و روحانی عظمتوں اور بزرگوں کے مینار ورہنما بھی۔ اور ان کی اس نگرانی وجہانبانی کی بنیاد و اساس بھی خالص للٰہیت وروحانیت تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سیدنا ابوصدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا پہلا خطبہ خاص طور پر آج کی دنیا میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے آپ اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں ارشاد فرماتے ہیں: **انا متبع و لست اهوئ بمتبدع۔**

لوگو! دراصل میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کا محافظ و پیرو ہوں۔ اور مجھ سے یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ میں سر مو بھی اس سے تجاوز کروں گا اور کسی نئی بات کا ارتکاب کروں گا۔

خلیفۂ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے سفر بیت المقدس میں جب ہیرے اور جواہرات میں آئے ہوئے مرصع قسیسینِ بیت المقدس کے سامنے تشریف لے گئے ہیں تو

آپ کے جسم اقدس پر جو کرتا تھا اس میں مختلف کپڑوں کے چودہ پیوند لگے ہوئے تھے اور اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت سرتاسر عہد نبوت اور عہد شیخین کا کامل نمونہ تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد امت میں جو افتراق و اختلاف پیدا ہوا اور ملک گیری و جہانداری کی مصلحت اندیشیوں اور مفاد بینیوں نے شیرازۂ ملت کو جس طرح بکھیر کر رکھ دیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعمیل و تشکیل میں جو نا قابل عبور مشکلوں کی خلیج حائل ہوگئی اور اس کی وجہ سے دین کی ملکوتی فضاء میں ایسا دردناک خلاء پیدا ہوا کہ ان کی ہلاکت آفرینوں سے خود بخود حالات میں ایک عظیم اور دوررس ردِ عمل کی روح انگڑائیاں لیتی ہوئی جاگ اٹھی۔

کتاب وسنت پر استقامت و جاں بازی سے جمے رہنے والے نقوش قدسیہ کی علمی زندگی میں اس ہیجان عظیم نے ایک لمحہ فکریہ پیدا کر دیا اور وہ حالات کی ان شکست و ریخت میں اپنے آپ کو اسی جرأت و دل جمعی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضۂ مقدسہ پر کاربند رکھنے کے بارے میں دردمندانہ و مخلصانہ طور پر مختلف عنوانات خیر وصلاح سے صرف نظر فرمانے پر مجبور ہو گئے۔ تاریخ اسلام کی بلند ہوتی ہوئی پاکیزہ قدروں اور عظیم رہنمائیوں کے عین مرحلہ شباب پر یہ ایک نا قابل فراموش موڑ تھا۔ جس نے بڑھتے ہوئے اقدامات اور چڑھتی ہوئی آفاقی سعادتوں اور بصیرتوں میں ایک دردناک اور مصائب انگیز ٹھہراؤ کا حادثہ بن کر توقف تذبذب تامل اور گھبرے اندیشہ و وسواس کا سماں پیدا کر دیا۔ اس مرحلۂ ابتلاء و آزمائش پر کتاب وسنت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس فرض کو اپنے سینے سے لگانے والے یقیناً لائق صد آفریں ہیں کہ ان کے اس جرأت مندانہ اقدام خیر نے کتاب وسنت کے آفتاب عالم تاب کی عالم افروز کرنوں کو مدھم اور بے اثر نہیں ہونے دیا۔ اور اسلام کی بنیادی و اساسی قدروں کا دائرہ اس للٰہیت کے ہاتھوں اور زیادہ وسیع ہوتا گیا۔ اور یہیں سے خالص خدا رسیدہ اور خدا پرستوں کی جماعت صالحہ کا حلقہ امراء امت کی

مفاد پرستانہ ریشہ دوانیوں سے الگ تھلگ ہو کر کتاب وسنت کی خالص تعلیم وتربیت اور تزکیہ و ارشاد کی منزلیں سر کرتا ہوا آگے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس اصلح ترین تعین کے بعد ظاہری طور پر اگرچہ ان نفوس قدسیہ کی بابرکت جماعت بہت سارے دینوی معاملات وامور سے کنارہ کش اور دست بردار نظر آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ رحمت خداوندی کی چھاؤں میں سانس لینے والوں کا یہ اقدام سعادت کتاب وسنت کی بنیادی روح کو آفات وفتن کی گرفت اور دست درازیوں سے صحیح وسالم بچالے جانے میں پوری طرح کامیاب اور بامراد ہوا۔ مصلحین امت کی یہی جماعت آگے چل کر اولیاء صوفیا صلحا اور مشائخ کے خطابات سے موسوم کی جانے لگی۔ حسرت بالائے حسرت ہے کہ جن لوگوں کی مساعی جمیلہ نے امت کی دینی اخلاقی اور روحانی زندگی کے تمام شعبوں کی ایک ایک کر کے تربیت ونگہداشت کی اور اس سلسلۂ تربیت وارشاد میں حیرت انگیز بے جگری کا ثبوت دیا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی تعمیل میں کسی اقتدار اور کسی شخصیت کی کوئی رو رعایت نہیں برتی اور ناموافقوں کے حارج ہوتے ہوئے بھی اپنی دعوت کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ انہیں کے حق میں امت کے ایک طبقے کی جانب سے ان کے طرز حیات پر رہبانیت کا بے بنیاد فتویٰ صادر ہوا۔

قرآن کریم کی ایک آیت میں حضرت مسیح کے متبعین میں سے کچھ لوگوں کے متعلق یہ نشان دہی کی گئی ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں جو حضرت مسیح کی اتباع وپیروی کے دعویدار تھے رافت ورحمت کا جذبہ پیدا کر دیا اور پھر انہوں نے از خود رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی حالانکہ ہم نے یہ طرز رہبانیت ان پر فرض نہیں کیا تھا— چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں اس طرز زندگی کی جسے متبعین حضرت مسیح نے اختیار کیا نصیحت وموعظت کے انداز میں یوں بیان فرماتا ہے۔ کما قیل: وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ

رِعَايَتِهَا ۚ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ○

اور ہم نے عیسائی کے دلوں میں جنہوں نے حضرت مسیح کی پیروی کی تھی۔ مہربانی ہمدردی نرمی اور دلداری کا جذبہ پیدا کر دیا اور رہبانیت کا طرز زندگی انہوں نے خود اختیار کرلیا۔ حالانکہ ہم نے رہبانیت کے طرز حیات کو ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر انہوں نے خوش خوشنودیٔ حق کے حصول کے لئے اسے اپنی زندگی میں اپنالیا پھر وہ اس کی بھی کماحقہ رعایت نہیں برت سکے۔ ان میں سے جو لوگ قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر کے ان پر ایمان لے آئے ان لوگوں کی اس سعادت کا ہم نے انہیں بدلہ دیا اور زیادہ تر لوگ متبعین حضرت مسیح میں فاسق ہی نکلے۔ قاموس اور صراح میں رہبانیت کا مفہوم و ماحصل یہ بتایا گیا ہے کہ رہبانیت یہ ہے کہ پورے طور پر دنیا اور علائق دنیوی سے بیزاری ولذات نفسانی سے یکسر دست کشی و علیحدگی کرلی جائے تفسیروں میں بھی رہبانیت کی یہی تعریف بیان کی گئی ہے۔ اور حضرت مسیح کے آسمان پر اٹھ جانے کے بعد ان کے پیروؤں میں سے کچھ علماء عیسائیت کا یہی حال تھا۔ وہ بستیوں میں سے نکل کر پہاڑوں کے غاروں میں چلے گئے کپڑوں اور کھانوں سے ازدواجی زندگی سے یکسر الگ تھلگ ہو کر انہوں نے سخت سے سخت مشقتیں اور جسمانی ریاضتیں کرنی اپنا شعار زندگی بنالیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی حلال نعمتوں کو انہوں نے اپنی ذات پر حرام کرلیا۔ دراصل رہبانیت کی یہی تعریف ہے۔

یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ ان مذکورہ بالا صفات میں سے رہبانیت کی کوئی صفت ایسی نہیں ملتی جس کا کوئی دور کا واسطہ اور لگاؤ بھی کتاب وسنت کی تعلیم و تربیت سے ہو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ اور پھر حضرات خلفاء راشدین و اولیاء کرام کی زندگیاں ان مکروہات کی آلودگیوں سے کلی طور پر منزہ اور مبرا ہیں۔

کتاب وسنت کی تعلیم و تربیت اور رہبانیت کے درمیان یہ ایسی حد فاصل ہے جو کبھی

دور نہیں ہو سکتی۔ قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ حلال پاکیزہ روزی جو اللہ نے عنایت فرمائی ہے کھاؤ۔ حلال کی زندگی بسر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت اور شکر گذاری پر ثابت قدم رہو۔ کما قیل کلوا من طیبٰت ما رزقنکم واعبدوہ واشکروا لہٗ۔

جو پاکیزہ روزی ہم نے بخشی ہے اسے کھاؤ اور خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کرو اور اس کی شکر گذاری میں مشغول رہو۔ کتاب و سنت میں دینی و روحانی تحصیل و تکمیل کی معراج یہ بتائی جاتی ہے کہ حال کتاب و سنت خدا کی زمین پر خدا کی جانشینی کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان مدارج کی تحصیل کو ایمان کے بلند درجۂ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ
إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا
يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ
حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾

یعنی بے شک اللہ کے برگزیدہ بندے متقین جو پرہیزگاری و تقویٰ کے پیکر ہیں اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی جنتوں میں اور جاری چشموں پر خوش خوش رہیں گے اور اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں کو بسر و چشم قبول کریں۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے اپنی دنیوی زندگی میں درجۂ احسان پر گامزن اور ثابت قدم رہے۔ اور اسے حاضر و ناظر سمجھ کر اس کی عبادت و بندگی کی لذتوں میں سرشار رہے۔ یہی لوگ ہیں جو راتوں کے اخیر حصوں میں بھوروں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مالک کی بارگاہ حضور میں خشوع و خضوع اور گریہ و زاری کی لذت میں توبہ و استغفار کرتے ہیں اور اپنے مالوں میں سے طلب کرنے والوں اور غریبوں اور محروموں کا حصہ نکالتے ہیں۔ اور بے شک اللہ کی وسیع زمین میں عبرت و بصیرت کی بے شمار علامتیں پھیلی ہوئی ہیں۔

بخاری میں حضرت صدیقہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راتوں کو نمازوں میں گریہ وبکا کی ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ آپ کی ریش مبارکہ اور جانماز بھیگ جاتی تھی اور صبح تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم روتے ہی رہ جاتے تھے۔

صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت اوقات عبادات واذکار اور امت کے دینی وسیاسی امور ومعاملات کی تنظیم وتشکیل میں جس طرح گھرے ہوئے تھے ان کو سامنے رکھ کر ایک نظر آپ کی ازدواجی زندگی کے حسین زاویوں پر صرف کر جایئے تو کیا حقیقت نہیں ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا بابرکت دائرہ عبادات ومعاملات روشن آثار ہدایتوں اور سعادتوں کا گنجینۂ بے بہار ہے، بالکل اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی اور سماجی زندگی کی مثالیں اور لطافتیں بھی بجائے خود شمع ہدایت ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین اولیاء کرام، مشائخ امت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں بھی از سر پا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص اتباع وپیروی کے رنگ میں پورے طور پر رنگی نظر آتی ہیں پھر اس بہتر وبرتر اصول حیات کے ہوتے ہوئے جو کتاب وسنت نے بخشا ہے عام طور پر کسی مسلمان کے لئے اور خاص طور پر صحابۂ کرام اور اولیا کرام کے لئے کون طرز حیات قابل قبول ہوسکتا ہے۔ ان لوگوں میں سے کون ایسا تھا جو اسلام کی تعظیم اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم افروز روشنی کے ہوتے ہوئے کسی ناقص اور مکروہ وناستحسن طرز زندگی کو قبول قبول سمجھتا۔ دراصل کتاب وسنت کی روح اور اہل اللہ کے اصلح ترین اسلوب زندگی اور اس کی عالمگیر ہدایت آثار افادیتوں اور برکتوں سے ناواقفیت اور بے خبری نے امت کے سنجیدہ لوگوں کی ایک جماعت کو اس بدگمانی میں مبتلا کر ڈالا کہ روحانیین کا طبقہ کتاب وسنت کی اصل شاہراہ سے الگ تھلگ رہبانیت کے رُخ پر جا رہا ہے حالانکہ حقائق واستدلال کی روشنی میں یہ بات کبھی درست ثابت نہ ہوسکی۔ رہبانیت کا

وجود واثر جب بنیادی طور پر نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں خلفاء راشدین کی خالص اسلامی زندگی میں نہیں ملتا تو پھر خدا کے لئے کوئی بتائے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ثابت قدم رہنے والے اولیاء کرام صلحاء امت اور صوفیا و مشائخ رحمہم اللہ کی تحصیل روحانیت و تکمیل للٰہیت کے سلسلہ میں اس پر عمل درآمد کا فتویٰ کیوں صادر کیا جائے تعلیم وارشاد کی یکسوئی اور دنیوی غل وغش سے بے نیاز و بے اثر ہو کر روحانی تربیتوں کے دائروں اور زاویوں کا وجود از بس ضروری ہے اور جب صورت حال یہ ہو کہ سیاسی مصلحتیں ہر اسلامی نقطۂ نظر پر اپنے مصالح کی مہر لگانی ہی ضروری سمجھ رہی ہوں اور ان مصالح کی تعمیل جب کسی شق کی وجہ سے دشوار نظر آتی ہو تو یہ تقاضا اور شدید صورت اختیار کر جاتا ہے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کا پورا عہد خلافت وریاست اسلامی تاریخ کے ذہن تحفظ میں محفوظ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس دور کے اہل علم اور اہل اللہ کی دینی و روحانی زندگی جس ذہنی کشمکش سے دوچار ہوئی اس کا اعتراف ایک ناگزیر حقیقت کے اعتراف کے مرادف ہے۔

خلفاء راشدین کے بعد حضرت امام حسن اور خواجہ حسن بصری سے لے کر تمام ائمہ اہلبیت اور پھر مالک بن دینار فضلِ ابن عباس، عبدالواحد بن زید، وغیرہم تک اور ان کے بعد علی التسلسل اولیاء کرام، صلحاء امت، صوفیا و مشائخ کبار کی عملی اور روحانی زندگیوں میں شکست وریخت کے جو واقعات رونما ہوتے رہے ان کا انکار اور ان سے اعراض برتنا حقائق کا انکار کرنا ہے — المنا کیوں کی کون سی شق ایسی ہے جو اس راہ میں اثر انداز نہیں ہوئی۔ دور کیوں جایئے واقعہ کربلا سے تاریخ کا ایک ایک ورق اُلٹتے جایئے ہر صدی کا پس منظر اولیاء کرام اور صلحاء امت کے حق میں انہیں اثرات کا حامل ملے گا۔ لیکن وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ خود ان اولیاء کرام کے اقدامات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے الگ کوئی نمایاں رُخ نہیں ہوتا۔ اور باوجود رکاوٹوں اور شدتوں کے سیہ اپنی دینی

خدمات میں آگے ہی بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں—اور قرآن اور سیرت رسول ﷺ کے آفتاب عالم تاب کی آفاقی قدریں ان بے لوث مخلص اللہ والوں کے پُرخلوص جہاد نفس کی برکتوں میں چار دانگ عالم اسلام اور فلسفۂ اسلام کا ڈنکا بجاتی رہیں جو قطعی طور پر رہبانیت کے منافی حقیقتوں پر مبنی ہے۔ روحانیت کی تحصیل و تکمیل اور مجاہدہ و مراقبہ کے حلقوں کا قیام رہبانیت کا قیام نہیں بلکہ یہ عین سنت کا اتباع ہے۔ غار حرا کے مجاہدۂ نبوی سے پیغمبر اسلام ﷺ کے مدنی اقدامات تک جو تسلسل اور رابطہ قائم رہا اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ دعوت و ارشاد کے لئے ایک مرکزی دائرے کا قیام ازبس ضروری ہے۔ اور دراصل مسجد نبوی کی تعمیر نے اسی بنیادی غرض کی تکمیل کی اور پھر معلوم ہے کہ مسجد نبوی کا یہ مرکزی دائرہ ہی کتاب و سنت کی تمام سیاسی و مذہبی روحانی واخلاقی تعلیم و ارشاد اور فرائض کی انجام دہی کا وہ مقدس اور پُرنور حلقہ تھا۔ جہاں سے قوموں اور ملکوں کی اصلاح و درستگی کے لئے معلمین اور مصلحین کی جماعت ترتیب پا کر قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کا سودا کرنے کے لئے باہر نکلی۔ اور پھر اسی حلقہ کا ایک گوشہ تھا جو اپنے بابرکت دامن میں اصحاب صفہ کو سمیٹے ہوئے ان کی روحانی منزلیں بھی طے کرا رہا تھا۔ ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ اور اصحاب صفہ اور ان کے علاوہ تمام دوسرے وابستگان بارگاہ نبوت اسی مرکزی دائرے سے شمع ہدایت وسعادت بن کر کتاب وسنت کے علم بردار ثابت ہوئے۔ مسجد نبوی کا یہی مرکزی دائرہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی خانقاہ ثابت ہوتا ہے اور تاقیامت اُس امت میں روحانیت و ارشاد کے جتنے خالص روحانی و دینی دائرے اور زاوئے پیدا ہوئے یا ہوں گے ان سب کا بنیادی واسطہ وعلاقہ حضور اکرم ﷺ کی اسی بارگاہ اقدس سے ہوگا جسے دنیا مسجد نبوی سے تعبیر کرتی ہے۔ اور جس کی ابدی ولافانی مرکزیت آج بھی سالکین راہ ہدایت کی رہنمائی و دست گیری فرما رہی ہے۔

وحدت الہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ؐ

آج کی مادی بہرہ مندیوں نے فکر ونظر کے جو گھناؤنے اثرات مرتب کئے ہیں اور ہماری بصیرتوں پر خیرگی کے جو نقوشِ وضع کرر کھے ہیں اُن سے غلط روی اور کج روی کے نت نئے دروازے کھلتے جارہے ہیں، بابرکت زندگی کی تشکیل وتکمیل کے لئے صحیح دینی تقاضوں کا شعور ضروری ہے، اور ہم محسوس کررہے ہیں کہ اب جب کہ آفتاب حقیقت کی نمو بار کرنیں ظلمت کدۂ عالم کے گوشہ گوشہ کو روشن اور پُر نور کرنے میں فراخ دلانہ اقدام کر رہی ہیں، ہمیں بھی خود اپنے ہرزاویہ نگاہ کا تجزیہ کر کے صحیح وغلط کے درمیان حرفِ امتیاز قائم کرنا چاہیئے۔

غربت کدۂ دہر میں تاریخِ حیات کے ہر ورق پر طلسم کرشمہ طرازیاں اور تحیّر زا عجوبہ کاریاں ملیں گی اور نوعِ انسانی کا بھٹکا ہوا قافلۂ پُرشور ہر ہر قدم پر تیز رو چند اُلجھاؤ میں سراسیمہ وفسردہ حال ملے گا، رنگ وبو کے اس نگار خانۂ ہست وبود میں کون ہے جو سر بگریباں اور قلبِ پریشاں کا حامل نہیں، ہستی ونیستی کی کش مکش، حیات وممات کی چپقلش اولین لمحۂ خلقت سے صنعت گری میں مصروف ہے، ریگزارِ حیات کی ان پُرخار و پُرشور وادیوں میں مختلف رنگ وروپ ادا الگ الگ تہذیب وشائستگی کے بے شمار قافلے کارزارِ حیات کی کش مکشوں اور مشکلوں کو ردوقبول کی پریشان خیالیوں میں اپنائے ہوئے سرگرم سفر پائے جاتے ہیں اور ذوقِ نمودِ حیات ہر آن ایک نیا پہلو اختیار کرتا ہوا ملتا ہے۔

کارخانۂ ہستی کا وہ محیرالعقول کارنامہ جسے دنیا ابتدائے آفرینش کے نام سے تعبیر کرتی ہے، یقیناً بیک ساعت وقوع پذیر نہیں ہوا ہے کیوں کہ کارسازِ فطرت کا حُسنِ تدبیر یہی تھا کہ خلقت میں صنعت گری کا کمال بھی ہو اور نوعِ انسانی کا حسنِ قبول بغیر کسی جھجک اور پس وپیش کے اُس کے آگے سرِ تسلیم خم کردے، اسی لئے صحیفۂ فطرت کا ہر ورق اسرارِ حیات کے توفیق نکتوں سے مملو ہے۔

وسعتِ نظر سے اگر کام لیا جائے تو فطرت کے بابرکت اور مقدس افادۂ وفیضان کی حقیقت عالمِ رنگ وبو کے ہر ہر ذرہ میں کارفرما ملے گی، نوعِ انسانی کا قافلۂ پُرشور جب مظاہرِ فطرت کے اُن جیتے جاگتے معجزوں سے دوچار ہوا تو چند در چند حیرت واستعجاب کے مخمصوں نے کش مکشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پیدا کردیا، اور اس عالمِ تغیر میں تحول وانقلاب کا جو قانون کام کررہا تھا اُس نے ہر ہر قدم پر ٹھٹکا دینے والے اور حیران وششدر بنا دینے والے کرشموں سے کارگہہ حیات میں زیروبم کی اک عجیب خلش پیدا کردی، آفتاب کا طلوع وغروب، روز وشب کا سلسلۂ لامتناہی، ستاروں کا چمکنا اور چھپ جانا، چاند کی صاف وشفاف کرنوں سے باغ وبہار کے حسن ودل فریبی کا نکھر جانا، پہاڑوں کا ڈراونا پیچ و

خم، دریا کی تلاطم خیز موجوں کا دفعتاً اُبھرنا اور خس و خاشاک کو بہا لے جانا، نیلگوں فضائے آسمانی کا دیکھتے دیکھتے رنگ بدل لینا، کبھی ابرِ کرم بن کر چٹیل میدانوں اور سوکھے خطۂ زمین کو لبریز کر دینا اور کبھی کالے کالے لرزا دینے والے بادلوں کے بھیانک ٹکراؤ سے سارے کارخانۂ ہستی پر خوف وہراس اور بیم ورجا کی پُر ہیبت کیفیت کا طاری ہو جانا، نوامیس فطرت کا نت نئے رنگ وروپ میں اُبھرنا اور اس قسم کے تحت تو موجود حادثات کا خود بخود صادر ہونا اور از خود ہی محو ہو جانا، غرض حدوث وتغیر اور عجائب وغرائب کا نئی نئی شکلوں میں نمودار ہونا، نوعِ انسانی کی حسِ اجتماعی کے لئے ایک تازیانہ عبرت وبصیرت تھا کیوں کہ ابھی ابھی جس قافلۂ وجود نے گہوارۂ فطرت میں آنکھیں کھولی تھیں وہاں کی ہر چیز اپنی اعجوبہ کاریوں اور حیرت زا برق باریوں کے ذریعہ اُسے مبہوت وششدر کر دینے کی ایک پوری مہم کھڑی کر رہی تھی۔

سمندر کی بلاخیز موجیں، گرمیوں میں بادِ سموم کے ہلاکت آفریں تھپیڑے اور بارش میں ہنگامۂ برق وباراں اوّل اوّل حیاتِ انسانی کے لئے کوئی دلکش اور خوش نما مناظر نہیں تھے لیکن کیا یہ غلط ہے کہ یہ سارا کا سارا نظامِ تغیر وتحول، کائناتِ ہستی کی تعمیر ورنگی کے لئے اتنا ہی زیادہ مفادات کا حامل تھا جتنی کہ کوئی بھی دوسری خوش آئند اور مفید سے مفید تر حقیقت!

کہا جاتا ہے کہ گمرہی وکج روی کی تمام راہیں صرف اِس لئے پیدا ہوتی گئیں کہ بے لاگ قوانین فطرت نے نوعِ انسانی کی حسیات کے ساتھ کوئی رورعایت نہیں برتی اور سعادت وشقاوت کے مختلف النوع مصادر صرف اس لئے وقوع پذیر ہوئے کہ فطرت کے عریاں مظاہر بے ظلوم وجہول کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے پر تل گئے تھے لیکن اس امر واقعہ سے انکار بھی مشکل ہے کہ اگر ان اختلافات واضداد کی بے لاگ چھیڑ چھاڑ تماشا گاہِ ہستی میں رنگینی نہ پیدا کرتی تو نوعِ انسانی اپنی نشوونما کے ایک ضروری عنصر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی، کیوں کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ

مطلب: اور اگر تمہارا رب چاہتا تو بنی نوع انسان کو اُمت واحدہ بنا دیتا، حالاں کہ یہ بات نہیں ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ قبول صلاحیت اور انکارِ حب کے دو متضاد گروہ آپس میں مختلف الخیال رہیں گے، ہاں وہ جس پر تمہارا رب مہربانی فرمادے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسی اختلاف و تصادم اور باہمی تصادم کے لئے ان انسانوں کو تمہارے رب نے پیدا فرمایا ہے۔

غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں قرآن کریم ایک ـــــ بڑی ہی دل چسپ اور بے لاگ حقیقت پیش کرتا ہے کہ اگر انسان صرف حق پسندی کی راہ پر گامزن ہوتا اور باطل معدوم ہوتا تو حق و باطل کی شناخت کے لئے کوئی میدان پیدا نہیں ہوتا اور نیک و بد کی آزمائش ممکن نہ ہوتی اور کارگہِ حیات میں ولولہ خیز جوہر حیات کو کبھی اُجاگر ہونے کی سعادت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ نوع انسانی کا اصل کردار اضداد و اختلافات کی رنگ آمیزیوں کے بغیر اپنی حوصلہ مندیوں کا کوئی بابرکت مظاہرہ نہیں کرسکتا، تاریخ انسانی میں غالباً یہ سب سے اہم اور سب سے زیادہ لائق اعتنا مقام ہے۔

اور خیر و شر کے اس بنیادی تصادم کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کا یہ اعلان ملاحظہ فرمائیے کہ:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

قرآن پاک واضح طور پر جہاں:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً الخ

والی آیت میں از ازل تا ابد چراغ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرارِ بولہبی کے ٹکراتے رہنے کی پیشن گوئی کرتا ہے وہیں دینی و دنیوی زندگی کی فوز و فلاح اور کامرانی و فیروزمندی

کی بشارت بھی دیتا ہے مگر یہ سب کچھ اُسی وقت ممکن ہے کہ ارتقا و سعادتِ حیات کے احسن اور مبارک تقاضے پورے کئے جائیں اور بے پروائی اور غفلت شعاری کی بدبختانہ روش سے اپنی داخلی اور خارجی زندگی کو الگ تھلگ رکھا جائے۔

اگر ایسا ممکن ہو تو پھر ساری کی ساری پُر امید سعادتیں اور فیروز مندیاں ہمارے لئے مخصوص ہو جائیں گی اور ہم صحیح معنوں میں "لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" کے بلند و ارفع مقام پر فائز ہو سکیں گے اور ان شرائط پر پورا اُترنے والے بلندی اور علوئے مراتب کے حامل ہوں گے کیونکہ یہ سب نعمتیں تو اُس صلاحیت یافتہ سوسائٹی کے لئے ہیں جو کائنات ارضی پر تصرّف قائم رکھنے کے اسباب و وسائل اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی نشو و نما کی تکمیل جد و جہد سے غفلت اور سُستی نہ برتے اور یہ سب کچھ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ تکمیلِ ایمان کی سعادت نصیب نہ ہو۔

سوال یہ ہے کہ تکمیلِ ایمان کیا ہے؟

اس سلسلے میں اگر سنجیدگی کے ساتھ قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے تو رب العزت کا ایک ہی منشا بہت واضح طور پر ہمارے سامنے نمایاں ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک اللہ کی غلامی میں خود کو ڈال دیا جائے اور حاکمیت کے سارے باطل رشتے ختم کر ڈالے جائیں، اسی بات کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ:

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اللہ ہی سب سے بڑا اس کا حق دار ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں اگر ڈرو تو اُسی سے اگر تم مومن ہو۔

کیوں کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ (جو صرف اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اور اس کی ساری مملکت بھی اُسی کے لئے ہے)۔

یہی نقطۂ نظر اصل ایمان بھی ہے اور "دین قیم" کی بنیادی غرض و غایت بھی، اور

اسی دین قیم کو قرآن دین اللہ سے تعبیر کرتا ہے جو انسان اور انسانیت کی تکمیل وارتفاع کا سبب ہے۔

لیکن قابل صد افسوس امر یہ ہے کہ صدیوں سے خود حلقہ بگوشانِ دینِ الٰہی کی نظروں سے یہ حقیقت مستور ہو چکی ہے اور نتیجتاً انسانی بغی وفساد کی ساری راہیں کشارہ ہو گئی ہیں اور حق وصداقت کی شاہراہ کے مسدود ہوتے ہی انسانی گمرہی اور بداعمالیوں کی بہت سی راہیں خود بخود پیدا ہو گئی ہیں کیوں کہ جب خدا کی بخشی ہوئی سعادتیں مجروح ہو جاتی ہیں، تو گمرہی و بدکرداری کا عفریت اُس پر مسلط ہو جاتا ہے اور رگ و پے میں غفلت و انکار کی خبیث روح خون بن کر دوڑنے لگتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○

اور جو رحمٰن کی ہدایت و یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور غفلت شعاری برتتا ہے آہستہ آہستہ اُس کا غفلت و انکار کا شیوہ اتنا مستحکم ہو جاتا ہے کہ وہ اُسی کو فوز و فلاح سمجھ بیٹھتا ہے اور طبیعت فطرتِ مسلمہ کی جگہ ایک دناءت خبیثہ کا طرز اختیار کر لیتی ہے اور وہ ہر وقت اُسے جہل و انکار اور اعراض و گمرہی پر اکساتی رہتی ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ سزا اُسے اس لئے دی جاتی ہے کہ اُس نے حق و باطل میں کوئی تمیز نہیں کی، پس قرآن کریم ہی کے الفاظ میں:

وَهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (ایسے سرکش اور نافرمان لوگ اپنی گمراہیوں کی طغیانیوں میں بے دست و پا ہو کر ڈوبتے اُبھرتے رہتے ہیں۔)

اور جو لوگ حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں اور دین قیم کی صحیح عرض و غایت کو سمجھنا چاہتے ہیں، اور ایمان کی روح اور بنیادی نکلتے تک پہنچنا چاہتے ہیں اُن کے لئے یہ دین اللہ ایک ایسی شمع ہدایت ہے جو اُن کو صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دُنیا میں بھی عزت و سروری

اور بلندی و برتری بخشنے کا اعلان کرتی ہے۔

عزت وسروری کی اس بشارت کو:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝

(ہراساں اور پریشان مت ہو، کامیابی تمہارے لئے ہے اگر تم مومن ہو۔)

اس پس منظر میں ذہنوں میں روشن کیا جائے کہ مسلمانوں کے زوال آمادہ ہونے کی بات اتنی بارد ہرائی جا چکی ہے کہ اب اس کا انکار ہی حقیقت کی تکذیب کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس زمین کے اوپر اور اس نیلگوں آسمان کے نیچے مسلمانوں کے زوال سے زیادہ کوئی بات حیرت انگیز اور عجیب وغریب نہیں ہے کیوں کہ جگہ جگہ یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''ہم نے تمہارے لئے زمین وآسمان جو کچھ ہے سب کچھ مسخر کر دیا'' اور جگہ جگہ مسلمانوں کو ہراساں اور پریشان ہونے سے منع کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

پھر یہ کیسا تضاد کہ اس کے باوجود مسلمانوں کے زوال کی تصویریں پیش کی جاتی ہیں؟

بظاہر بات بہت عجیب سی لگتی ہے مگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو کوئی تضاد نہیں ہے۔

کیوں کہ کبھی بھی اللہ کا عہد و پیمان ظالموں کے ساتھ نہیں ہوتا، اللہ کی نصرت کا وعدہ اُن ہی لوگوں کے لئے ہے جو:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ص

کے معیار پر پورے اُترتے ہیں اور اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (اللہ کے سوا کسی کا حکم، حکم نہیں ہے) کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے خدا کی زمین میں صرف خدا کی حاکمیت و شہنشاہیت کا آوازہ بلند کرتے ہیں اور انسانی حاکمیت کی جلی اور خفی ہر صورت کو شرک سمجھتے

ہوئے خداوند ذوالجلال کے اس حکم کو اپنے ایمان اور اپنی زندگی کا ناقابلِ تنسیخ جزو سمجھتے ہیں:

۲۔ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

حاکمیتِ الٰہ، بلاشرکتِ غیرے اور بلاکم وبیش ایک ایسا بنیادی نقطہ اور آخری سرحد ہے جس کے بعد صرف تباہی و بربادی کی لپکتی جھلتی جہنم کا سراغ مل سکتا ہے اور شاید اسی لئے شارعِ اسلام سے فرمایا گیا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو کم سے کم توحید خداوندی کے مسئلے پر شراکت ومعاونت کا پیغام دیجئے۔ ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ:

۳۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ○

لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی کتاب اپنی تمام رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ آغوشِ رحمت وہدایت وا کئے ہوئے ہے اور کوئی مسلمان اِس ظلِ سبحانی میں پناہ لینے والا نہیں رہا ہے تو ہماری آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور ہمارے تعجب کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کیوں کہ ہم نے نجات وفلاح کی راہ چھوڑ کر کفر وضلالت کی راہ اختیار کی ہے، کل ہم اسی کی قوت پر بازارِ سیاست وحکمت خریدرہے تھے اور آج ہم اسی کو فراموش کر کے دوسروں کے ہاتھوں کھوٹے سکوں پر بک رہے ہیں۔

اور ایسا ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کیوں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس پہلے یہ کہہ کر ہماری قسمتوں کا فیصلہ کردیا تھا کہ:

عَنْ اَبِیْ ھریرۃ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ۔

میں تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑ رہا ہوں جس کو اگر پکڑے رہو گے تو
ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور میری سنت۔

اور ظاہر ہے کہ آج جب ہم نے کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کی نافرمانی و سرکشی اپنا شعار بنالیا ہے تو اب ہمارا قعرِ مذلت میں گرنا بھی طے ہے۔

فاراں کی بلند چوٹیوں پر جب آفتابِ نبوت و ہدایت اپنی ازلی و لافانی تابناکیوں کے ساتھ طلوع ہوا تو یہی آوازۂ حق و صداقت تھا جس نے اپنی نورانی کرنوں سے انسانیت کی مُردہ لاش میں تڑپتی ہوئی برقی لہر دوڑادی اور حقانیت و صداقت کی پاک روح پھونک دی جس نے انسانیت کے گم کردہ راہ قافلے کو اُس کی منزل دکھائی اور جس نے انسان کو انسان بنا کر اور عبدیت و انسانیت کے شرف سے مشرّف اور ممیز کر کے خدا اور انسان کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو ازسرِ نو جوڑا اور بہت واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً
وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اے انسانو! اُس رب العزت کی بندگی و غلامی اختیار کرو جس نے تمہیں اور تمہارے پہلے کے انسانوں کو پیدا کیا تاکہ تم تمام کے تمام لوگ اُس مالکِ حقیقی سے ڈرو جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت، اور آسمان سے پانی اُتارا اور پھر اُس پانی سے ثمرات اُگائے جو تمہارے لئے روزی ہیں، پس اللہ کی شانِ یکتائی و مالکیت میں کسی انسان کو شریک نہ بناؤ اور درآں حالے کہ تم جانتے ہو۔

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

لوگو تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، سوا اُس کے کوئی معبود نہیں اور وہ رحمٰن ورحیم ہے۔

مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ کے علاوہ مندرجہ ذیل مقدس آیات کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○

آسمان اور زمین جو بھی ہیں وہ اُس ہستی کی پاکی بیان کرتے ہیں جو فرماں روا ہے، سراسر پاکی ہے، اور صاحبِ اختیار و حکمت ہے:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ۔ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اور زمین کے ہر وجود نے اللہ کی پاکی بیان کی اور حقیقی فرماں روائی اور حمد وثنا اُسی کے لئے ہے، موت وحیات، اُس کا ایک کرشمہ ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

وہی سب سے پہلے ہے وہی سب کے بعد ہے، وہی سب پر ظاہر ہے وہی سب میں چھپا ہوا اور کوئی چیز اُس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اس کے ذات اور منشاء کے علاوہ ہر چیز ناپید ہے، حکم صرف اُسی کا ہے، اور اُسی کی طرف تم لوٹو گے۔

قرآن کریم سے اس کی خبر بھی ملتی ہے کہ اُمتِ مسلمہ سے پہلے بھی خدا نے لوگوں سے یہی عہد لیا تھا کہ خدا کی زمین پر خدا ہی کی حاکمیت اور غلامی کو شعار بنایا جائے اس سلسلے میں پہلے پارہ قرآن کی نویں رکوع میں بنی اسرائیل کے میثاق کا تذکرہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس میں خدا بنی اسرائیل کو یاد دلا رہا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ

(وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل کی اولاد سے یہ عہد لیا تھا
کہ تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کی غلامی و بندگی اختیار نہیں کرو گے۔

اور پھر بطور خاص وہ آیات جس کا صفحاتِ ماقبل میں بھی کہیں تذکرہ کیا جاچکا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

مطلب: اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے اُس نے تمہیں یہ حکم دیا ہے
کہ سوا اُس کے کسی کی غلامی و محکومی اختیار نہ کرو، دین قیم یہی ہے،
اگرچہ اکثر لوگ اس (اصل دین) کو نہیں جانتے۔

اس آیتِ مقدسہ کے ایک لفظ "تعبد" پر بطور خاص اور بہ نظرِ غائر سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کیوں کہ اُردو میں تعبد کو زیادہ تر صرف پوجنے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا رہا ہے اور یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ اس سے صرف شرعی عبادات اور بدنی طاعات و اظہاراتِ عبدیت مقصود ہیں لیکن میرے خیال میں تعبد کو صرف اس حد تک محدود سمجھنا دین قیم کے ساتھ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم جہاں کہیں بھی شرعی عبادت کا تصور پیش فرماتا ہے وہ مبہم نہیں ہے بلکہ مفصل ہے اور عام طور پر ہر جگہ اور خاص طور پر آیات مذکورۂ اتصدر میں جہاں جہاں لفظ تعبد استعمال کیا گیا ہے اُس سے وحدت وطاعتِ الٰہیہ مراد ہے اور یہی اصلِ دین ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الخ سے بھی یہی وحدت و یکتائیت مراد ہے جو دینِ قیم اور دین اللہ کا بنیادی نکتہ ہے کہ بغیر اس ادعان وایقان کے کوئی مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا حق دار نہیں ہے۔ اسلام اور قرآن کے نزدیک خدا کو حاکم مطلق

جانا اور اپنے آپ کو اپنے حواس خمسہ کے ساتھ اُس کے سپرد کر دینا ہی اصل ایمان ہے اور یہی راہِ ہدایت ہے۔ کیوں کہ قرآن اور اسلام کے قانون میں اُس سے بڑا نافرمان اور سرکش کوئی نہیں ہے جو خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی حکمرانی تسلیم کرے اور اُس سے کوئی اُمید رکھے اور اُس سے کسی قسم کا خود کھائے اور اس سے بڑا باغی کوئی نہیں ہے جو مالکِ حقیقی کی ملکیت میں رہ کر اپنے مالک سے بغاوت کرے، یہ کھلا ہوا شرک ہے جس کے بارے میں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

اللہ اس بات کو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اُس کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کیا جائے، اور اس کے ماسوا جس گناہ کو چاہے گا معاف کر دے گا۔

اس مقام کے خطرناک زینے کے لیے صدیوں سے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کو ملیا میٹ کر کے اور اسلام کی اصل روح اور صحیح مقصد کو ہمارے ہوش مند ذہنوں سے محو کر دیا ہے اور تعبد کے ظاہری اور رسمی معنی میں گھر کر ہم اصل حقیقت سے دور تر ہوتے گئے ہیں، جیسا کہ عرض کیا گیا، تعبد کے صحیح معنی ٹھیک نفس غلامی ہے، ذہنی، بدنی، تمدنی، معاشرتی، قومی اور ملّی ہر طرح کی غلامی و محکومی کو اسلام کا قانون تعبد کے فرو معنی لفظ سے تعبیر کرتا ہے لیکن صدیوں سے مسلمان اسلام کی اس روحِ اعظم کو کھو کر اور دین کی اصل کو برباد کر کے ناپاک، نافرمان، سرکش اور باغی انسانوں کی غلامی (تعبد) میں گرفتار ہو گئے ہیں۔

عبدیت کا مفہوم انسانی زندگی کے تمام اعمال پر حاوی ہے خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی، سیاسی ہو یا معاشرتی، انسانوں کی غلام کا جوا اُتار کر پھینک دینا اور خدا کی غلامی کی مالا پہن لینے کا نام ہے ایمان اور اسلام، مسلمان کی دُنیوی زندگی کا عروج و اقتدار اور علو و اقبال اس کے دین کا جزو اعظم ہے کیوں کہ بغیر اس کے اسلام کے عزت و اقتدار کا ہیکل ادھورا رہ جاتا

ہے، اس کا مقصدِ حیات متعین ہے، وہ حق وصداقت کا مبلغ ہے، عدل ومساوات کا دیوتا ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ دنیا اس سے انسانیت کا سبق لے اور خدا اُسے اپنی خلافت کا تاج مرحمت فرمائے اور دنیا کو باطل کے اندھیرے سے ہٹا کر حق کے اُجالے میں لے آئے کیوں کہ وہ خدا کا حکم جانتا ہے اور خدا کے احکام کا مبلغ اس کے بندہ کے سوا اور کون ہوسکتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

وہی ہے حاکمِ مطلق جو اپنے بندہ پر روشن دلیلیں اُتارتا ہے تاکہ وہ (خدا کا بندہ) تمہیں اندھیرے سے اُجالے کی سمت لے آئے۔

اور یہ سارا سلسلہ کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے بلکہ خدا کی پرانی سنت ہے جو کسی عہد میں بھی تبدل و تغیر سے دوچار نہیں ہوئی، البتہ ارتقا پذیری اس کا خاص مزاج رہی ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

اللہ کا قانون ماضی میں بھی ایسے ہی رہا ہے اور اللہ کے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

افسوس ہے کہ ہم اپنی ناسمجھیوں سے قرآنی حقائق کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتے اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن اپنی کسی دعوت کو فلسفہ ومنطق کی موشگافیوں اور ناقابلِ فہم نکات کی تلخیوں سے ملوث نہیں کرتا بلکہ سیدھی سیدھی، صاف صاف باتیں اور میٹھے میٹھے بول ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے صرف صحیح فطری وجدان کی ضرورت ہے اس لئے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور فطری حقائق کے ادراک کے لئے فطرت کا وجدان ہی اصل معاون ومددگار بن سکتا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ

دین فطرت وہ ہے جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔

اور خدا کے اس عینِ فطرت پیغام کو سمجھنے اور اس کی حاکمیت سے تغافل کرنے کے بھیانک نتائج اور تسلیم کر لینے کے خوش آیند اثرات کو صحیح طور پر محسوس کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم تاریخ کے پس منظر کو بھی پیش نظر رکھیں۔

تاریخِ عالم کا وہ بھیانک دور ہمارے سامنے ہے اور اب بھی ہم اپنی اُس بربریت پر شرماتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی کی انسانی آبادی، انسانوں کی آبادی نہ تھی بلکہ بھیڑوں اور حیوانوں کا بھٹ تھی، انسان کی صورتیں تھیں مگر انسان کا نام ونشان مٹ چکا تھا، بڑے بڑے محلات تھے، بڑی بڑی بستیاں تھیں جن پر بارش کا فیضان بھی ہوتا تھا، موسم بہار پھول بھی نچھاور کرتا تھا، شام کی ٹھنڈی ہوا بھی جنہیں چھوتی ہوئی گذرتی تھی، صبح کی نرم فضائیں باعثِ تسکین وقرارِ روح بے قراراں بنتی تھی، زمین کی گود ہری ہری بالیوں سے بھری ہوئی تھی، صنعت وحرفت کا بازار بھی گرم تھا اور رزم و بزم کی محفلوں بھی آراستہ تھیں، بجھی ہوئی انسانی مخلوق حیوانیت وبہیمیت کا لبادہ اوڑھے کارگاہِ عالم میں علیٰ معمول رواں دواں تھی، خدا کی اس وسیع مملکتِ ارضی میں سب کچھ تھا جو زندگی اور ضروریاتِ زندگی کے لیے چاہئے دولت کا انبار تھا، فوجی چھاؤنیاں تھیں، جھوٹی حکومتیں تھیں اور جھوٹے حکمراں تھے لیکن روح انسانیت پیاسی اور مجروح تھی، روح کائنات پژمردہ تھی اور مقصدِ تخلیق مفقود تھا، حقیقت کی روح دم توڑ رہی تھی اور انسانیت مصروفِ گریہ وزاری تھی۔ کیوں کہ خدا کی اس وسیع مملکت پر جھوٹے حکمرانوں کی حکمرانی تھی اور نافرمان انسان بدنصیب انسانوں کے خریدار تھے اور کوئی یہ کہنے اور سمجھانے والا نہیں تھا کہ خدا کی حکومت میں پناہ لے کر خدا ہی کی مملکت میں بغی وفساد کی آگ نہ بھڑکائے اور جھوٹی انسانی حکومت وفرماں روائی کی داغ بیل نہ ڈالے، اس بات کی طرف قرآن کریم اشارہ فرماتا ہے کہ:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ؕ

اگر کونین میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہوتا تو نظامِ عالم میں فساد پیدا ہو جاتا۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾

پس یقیناً بلندی و برتری والا مالک پاک ہے، نالائقوں کے غلط اوہام سے۔

اور کون تھا جو گم کردہ راہ قافلے سے کہتا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا۔

آؤ بتائیں تمہیں وہ بات جو تمہارے پروردگار نے تم پر قطعی حرام کر دی ہے، دیکھو اللہ کی کسی صفت کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

کیوں کہ:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ شرک ظلم عظیم ہے۔

اور:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

جو خدا کی مملکت میں کسی کو شریک کرے گا ہرگز خدا اُس کو معاف نہیں فرمائے گا اور اُس نافرمان وسرکش کے علاوہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا۔

اور اسی سلسلے میں یہ فرمانِ خداوندی بھی ملاحظہ ہو کہ:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○

پس جو اپنے حقیقی مولا کی خوشنودی چاہتا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب حقیقی کی بندگی وغلامی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اور یہ آیت بھی ملاحظہ ہو کہ:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کسی انسان کے لئے مناسب اور زیبا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور منصب حکم اور نعمتِ نبوت عطا فرمائے پھر وہ انسان لوگوں سے کہے کہ میرے بندے ہو جاؤ اللہ کے علاوہ۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کی اس وسیع مملکت میں مومن کے لئے کوئی انسانی بارگاہ تسلیم و بندگی کے قابل نہیں اس کے سر نیاز و بندگی کے لئے ایک ہی عرش عزت وجلال ہے اور اس کی بندگی کا خریدار وہی عزت و برکت والا ہے:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○

پس وہ بزرگ و برتر اللہ جو اس کائنات کا حقیقی حکمران ہے اس کے سوا کوئی معبود و حکمران نہیں۔

اور اسی لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دنیا کی ہر بارگاہ سے بے نیاز ہو کر اور بے پروا ہو کر صرف اُس کی چوکھٹ پر سر جھکائے اور اپنے سر کا خریدار بس ایک ہی سرکار کو بنائے کیوں کہ:

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ

حکومت و خداوندی صرف بزرگ و برتر اللہ کے لئے ہے۔

اور مومن کی قیمتی متاع بندگی کی خریداری صرف ایک ہی خدا کو لائق و زیبا ہے کہ:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○

پس کیا جاہلیت و سرکشی کا حکم پسند کرتے ہیں لوگ اور کون ہے جو کہا جائے کہ بہت زیادہ حسن و دل فریب ہے اللہ کے حکم سے، یہ ہدایت اُس جماعت کے لئے ہے جو دولتِ ایمان سے سرفراز ہے۔

اور اسی لئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ

جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ بھی اُس کا ہو جاتا ہے۔

اور پھر یہ ارشاد بھی قابلِ توجہ ہے کہ:

اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ٭

بے شک وہ اپنے صالح بندوں کو زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا آیات کریمہ کی روشنی میں یہ باب بالکل واضح روشن اور مسلّم ہے کہ ہر وہ شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کے دل و دماغ پر خدا کے سوا کسی کی حکمرانی کا شائبہ بھی نہیں پایا جانا چاہیے اور اُس کے فکر و عمل کی کائنات میں بس ایک ہی آقا و مولا کی محکومی و غلامی کے ثابت و سالم نقوش ثبت ہونے چاہئیں اور اس کے ذہن و تخیل کی مراد گاہ ایک ہی حاکمِ حقیقی کی بارگاہ ہونی چاہیے کیوں کہ وہ صرف ایک ہی محکومی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اُس کی تمام زندگی اور زندگی کی حسین آرزوئیں صرف ایک کے لئے ہیں۔ پس وہ خدا کا ہے اور ساری خدائی اُس کے لئے ہے:

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ٭

پس یہی تمہارا اللہ جو تمہارا سچا پروردگار ہے۔

پس یہی ایمان اور اسلام ہے اور یہی دینِ قیم ہے جس کی پیروی و اتباع کا حکم دیا گیا ہے:

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

اور تب قرآن کریم کے الفاظ میں یہ صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ:

يَتَّخِذُوْنَ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ

غیر خدا کو اپنا پرورش کرنے والا بنا لیتے ہیں۔

لیکن وہ نہیں جانتے کہ دین قیم کے ساتھ یہ کھلی ہوئی غداری ہے۔ کیوں کہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادگرامی کے مطابق:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ

خدا کی نافرمانی ہورہی ہو تو کسی مخلوق کی طاعت و پیروی حلال نہیں۔

اور اگر کسی مسلمان کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی اس تصور سے خالی ہے تو پھر اُس کا ایمان بھی ناقص ہے اور اس نقص سے اُس کی ساری حیات مسموم اور زہر آلود ہو جائے گی۔ کیوں کہ خدا کے علاوہ کسی کی بھی پیروی اور اطاعت خواہ وہ دینی معاملات میں ہو یا دنیوی معاملات میں، کھلی ہوئی گمراہی ہے اور صراطِ مستقیم سے بھٹک جانے کے مماثل ہے۔ اس لئے کہ تعبد کے سلسلے میں جو باتیں صفحات ماقبل میں بیان کی جاچکیں اُن کو سامنے رکھتے ہوئے جب اس آیتِ مقدسہ پر نگاہ ٹھہرتی ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ

بے شک وہی ایک خدائے بزرگ و برتر میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔

پس اُسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے۔

اور پھر اس مقدس اعلان اور حکم کی طرف نظر متوجہ ہوتی ہے کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

اللہ کی عبادت کرو اور شیطانی طاقتوں سے بچو۔

تو احساس ہوتا ہے کہ قرآن اور اسلام نے فی الحقیقت تمام ماسوی اللہ اطاعتوں اور قوتوں کا خاتمہ کر دیا اور توحیدِ خالص کی مدھم ہوتی ہوئی شمع کو پھر روشن کر دیا۔ کیوں کہ تصورِ توحید تو اسلام سے پہلے کے مذاہب میں بھی موجود ہی تھا مگر شخصیت پرستی، عظمت پرستی، اصنام پرستی اور باطل فرماں برداریوں کی مختلف صورتیں کچھ اس طرح رفتہ رفتہ انسانی سوسائٹی کی تصوراتی بنیادوں میں شامل ہوگئی تھیں کہ انسانی عظمتوں کے زندہ مجسمے حکمرانی اور فرماں روائی کی مختلف صورتوں میں انسانوں سے اپنی پوجا کرا رہے تھے اور اس گھناؤنی صورت

حال میں قرآن کریم اعلان فرماتا ہے کہ:

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

(صرف وہی اللہ ہے اکیلا اور قہار)

اور اس لئے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

لوگو! صرف اُس حقیقی پروردگار کی بندگی و محکومی اختیار کرو، جس نے تمہیں پیدا کیا۔

اور پھر یہ بھی وضاحت کردی گئی کہ:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کسی ایسے انسان کے لئے بھی جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کتاب وحکمت اور نبوت کی عزت و بزرگی عطا فرمائے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہے تم لوگ میرے بندے ہو جاؤ، اللہ کے سوا۔

اس آیت کریمہ سے جہاں اصل دین کا یہ واضح اور روشن پہلو ابھرتا ہے کہ **نفوسِ قدسیہ بھی انسانوں** کو اپنا محکوم نہیں بنا سکتے وہیں ایک بڑا دلچسپ نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ تب پھر ان فراعینِ ضالہ کو کب حق پہنچتا ہے کیوں کہ انسانوں کی محکومی و غلامی کی بنیاد تو اُن کے فسق و فساد پر ہے۔

اسلام کی تمام رحمتوں اور برکتوں کو وقتی طور پر فراموش کر کے جب ہم صرف تکمیل انسانیت کے عظیم درجۂ انتہا پر غور کرتے ہیں جو اسلام نے اصل الاصول بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے اور صاف صاف اور سیدھے سیدھے الفاظ میں یہ کہتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی ساری اطاعتیں اور ساری فرماں برداریاں اور ساری محکومیاں صرف اُس ذات الٰہ کے لئے ہیں جو اس ساری کی ساری کائناتِ ہستی کا حقیقی حکمراں ہے، اور اس کے

سوا کوئی دوسرا معبود والہ ہے ہی نہیں تو احساس ہوتا ہے کہ خدائے قدوس کو صرف خیالی معبود اور ذہنی مسجود بنا لینے سے معاملہ ختم نہیں ہوتا اور ایمان کامل کے شرف سے مشرف نہیں ہوا جا سکتا۔ کیوں کہ اگر افکار و اعمال پر مجازی خداؤں کی خدائی حاوی ہو اور ذہنی و خیالی نشو ونما کا ایک وہمی ماحول متاعِ بندگی کی رسمی کج رویوں کی منزل ہو کر رہ جائے اور حقیقت کی جگہ مجاز حاصل کرے اور نمازیں صرف اس جذبے سے پڑھی جائیں کہ خیالی خدا خوش ہو اور رو ہم و خیال کی کائنات غرورِ زہد کی خوش فہمیوں سے مطمئن اور خوشگوار رہے تو اُسے نشست و برخاست کے ایک عبث تسلسل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ کیوں کہ خدائے لم یزل ان خود غرضیوں اور مکاریوں سے خوش نہیں ہوتا۔

پس چہ باید کرد

پس ہر اُس شخص کو جو خدا کا ماننے والا ہے، چاہئے کہ فکر و عمل کا کوئی گوشہ بھی اگر اُس عزیز الجبار کی مملکت اور احساسِ محویت و بندگی سے خالی ہے تو جتنا جلد ممکن ہو سکے اس کی شہنشاہیت و یکتائیت کی دولت سے بھرپور کرایا جائے کیوں کہ وہ رکوع و سجود کی گنتیاں نہیں کرتا، دلوں کے خطرات کا دانا و بینا چہروں کی میل و شستگی پر نہیں جاتا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خدا کے ماسوا ہستیوں کو اپنی عبادت میں شریک کر لیا ہے اور وہ اس طرح ان سے محبت کرتے ہیں جس طرح خدا پرست خدا سے اور کاش کہ اس وقت جب وہ اس کا خمیازہ اپنے سامنے دیکھیں گے اُس صلے میں جو ظلم کیا انہوں نے کہ بیشک تمام تر قوت و حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے اور بیشک اللہ کا عذاب

بہت سخت ہے۔

یہ بات بطورِ خاص یاد رکھنے کی ہے کیوں کہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔ لہٰذا وہ ظاہر کی کج رویوں کو معاف فرما سکتا ہے۔ لیکن باطن پر اگر باطل خداؤں کی جھوٹی حکمرانی کا دور دورہ ہے تو اِسے وہ در گذر نہیں فرماتا اور اس کا کڑا احساب لینے کا وہ بار بار اعلان بھی فرما چکا ہے۔ کیوں کہ نافرمانی و سرکشی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ آقا کے سامنے اُسی کے غلام کو پروردگار کہا جائے، پس جب وہ خود ہی اعلانیہ طور پر یہ فرماتا ہے کہ اللہ پر ایمان اور اللہ کی اطاعت و محبت لازم و ملزوم ہیں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ محبت تو کی جائے اور اطاعت کا جذبہ پیدا نہیں ہو، محبت اگر قلب و ذہن کی شیفتگی اور وابستگی کا نام ہے تو اطاعت اس کا حاصل مراد ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسری ذات کو بھی ویسی ہی شیفتگی و وابستگی کے ساتھ چاہا جائے جیسی شیفتگی اور چاہت صرف اللہ کا حق ہے تو پھر توحیدِ الٰہی کا اعتقاد درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے ہر مومن و مسلم کے لئے ضروری ہے کہ مہلت کی پہلی گھڑی کو ضائع نہ ہونے دے اور پکارنے والے کی پکار کو خالی نہ جانے دے اور جتنا جلد ہو سکے بیدار ہو جائے کیوں کہ کھوئی ہوئی ہر پونجی واپس ہو سکتی ہے اور بگڑی ہوئی ہر حالت سدھر سکتی ہے لیکن خدائے عزت و جلال کی بندگی اور محکومی کی متاعِ عزیز کھو گئی تو پھر کہیں ٹھکانا نہیں اور اگر خدا کی فرماں روائی و حکمرانی سے دل کا کوئی خلا پُر نہیں ہوا تو یقین کرنا چاہئے کہ عرش جلال کی کرسیِ حکومت و جہاں داری والا حاکمِ حقیقی اس ظلم کو نظر انداز نہیں فرمائے گا اور قوتِ قاہرہ رکھنے والا ملک الجبّار رنا پاک معصیتوں کی ٹھیک سزا مقرر فرمائے گا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ
نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

آج حکم اور حکمرانی کس کی ہے؟ یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ واحد اور قہار کے سوا کسی کا حکم نافذ نہ ہو گا اور ہر نفس کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ

ملے گا جس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ بے شک اللہ سُرعت سے حساب چکانے والا ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم احکام خداوندی کو پوری طرح فراموش کر چکے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (اور چاہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان کوئی راہ نکال لیں) ہم چاہتے ہیں کہ خدائے واحد کی خدائی اور اپنی بندگی کی راہ میں ایک تیسری راہ اختیار کریں جب کہ قرآن تیسری راہ کو ضلالت و گمرہی سے تعبیر کرتا ہے: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (اور جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔) وہ اپنے بندوں کے ظاہری اور باطنی تمام افکار و اعمال کے ذریعہ یہ واضح اعلان سننا چاہتا ہے کہ:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

بے شک میری نماز، میری عبادت، میری زندگی، میری موت اس خدا کے لئے ہے جو ساری کائنات خلقت کا پروردگار ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی پرستش کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے آگے سرِ نیاز خم کرنے والوں میں پہلا ہوں۔

پس ہمیں اپنے ظاہری اور باطنی افکار و اعمال پر گہری نگاہ دوڑانی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ ہماری زندگی اور زندگی کی ساری طاعات و بندگی اور کارگاہِ حیات کی تمام تگ و دَو، جدو جہد، قربانیاں اور آرزوئیں، ساری زندگی اور موت غرض سارا کاروانِ حیات اور اس کی طلب و آرزو صرف اس اللہ کی محکومی و بندگی کے لئے ہے جو حقیقی حکمراں اور پروردگار ہے۔ معلوم و نامعلوم عواملِ موجودات و مخفیات کا یا خدا پرستی کی جگہ ہمارے فکر و عمل کا کوئی گوشہ انسان پرستی اور اوہام پرستی کی لعنت کا حامل ہے، اگر واقعی ایسا ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہماری

غفلتوں اور نامرادیوں کے ہاتھوں ہمارے ہی گھر سے ایمان واسلام کا جنازہ نکل چکا ہے

اور تب پھر ہمارے لئے دنیا میں نامرادیوں، بدبختیوں اور تباہ کاریوں کے سوا کچھ باقی نہیں بچا ہے کیوں کہ خدا کی قوت اور اُس کی ازلی وابدی حکمرانی کا سہارا ٹوٹ جانے کے بعد اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس جنتِ ارضی کے اوپر ہمارے لئے برکت کا کوئی شائبہ باقی نہیں بچ سکتا:

وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝

جن لوگوں نے خدا کی ہستی سے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی ہوگی (وہ قیامت کی پرسش سے گھبرا کر ہیں گے کاش میں مٹی ہوتا)۔

اور پھر یہ بھی کہ:

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝

ہائے افسوس کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا اُس نے مجھے ذکر سے غافل کر دیا حالانکہ حقیقت نمودار ہو چکی تھی اور شیطان انسان کو ذلیل ورسوا کرنے والا ہے۔

اور اگر کسی مسلمان کے ساتھ یہ صورتِ حال نہیں ہے بلکہ اُس کا ظاہر و باطن یکساں طور پر اپنے حواس خمسہ خدائے وحدہ لاشریک کے سپرد کر چکا ہے اور اُس کی حاکمیت کو قولی فعلی اور قلبی ہر طور پر تسلیم کر چکا ہے اور اپنی زندگی میں برت رہا ہے اور اپنا شعار بنا لیا ہے تو پھر اُس کے لئے بھی قرآن اپنی بے شمار بشارتوں، نوید اور عفو و رحمت کے بے پایاں اور بے شمار پھولوں کے ساتھ اُس کا استقبال کرتا نظر آتا ہے اور ہمیں جگہ جگہ پر اطمینان دلاتا ہے کہ:

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

ہراساں اور پریشان مت ہو، کامیابی تمہارے لئے ہے، اگر تم مومن ہو۔

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ جوصرف اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ (اور اللہ کی ساری مملکت) بھی اُسی کے لئے ہے۔

اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ○

بے شک وہ اپنے صالح بندوں کو زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔

اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً

(اللہ نے تمہارے لئے مسخر فرما دیا جو کچھ آسمان وزمین میں ہے اور غایت فرمادیں اپنی تمام نعمتیں جو نمایاں بھی ہیں اور پوشیدہ بھی۔)

اب یہ ہمارے اور آپ کے ایمانداری کے ساتھ تجزیہ کرنے کی بات ہے کہ ہم خدا کی رحمت کے مستحق ہیں یا غضب کے اگر خدانخواستہ ایمان واعمال میں کوئی کجی یا کمی رہ گئی ہے تو توبہ کر لینا مومنین وصالحین کا پسندیدہ عمل رہا ہے۔ اپنا احتساب نفس اور اُس پر شرمندگی اور آنے والے دنوں میں خیر کی طرف پیش قدمی کا عزم صوفیاء کے نزدیک توبہ کی سب سے بہتر صورت رہی ہے لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خیر کی طرف پیش قدمی کرنے میں ہچکچائیں بھی نہیں اور تاخیر بھی نہ کریں، صبح بہاراں ہماری منتظر ہے، آفتابِ حقیقت کی ضوبار کرنیں کاروانِ حیات کے ہر گوشہ کو پُر نور کرنے کے لئے فراخ دلانہ اقدام کر رہی ہیں، ہمیں بھی خود اپنے ہر زاویہ نگاہ کا تجزیہ کر کے صحیح وغلط کے درمیان حرف امتیاز قائم کر لینا چاہیئے۔

وما علینا الا البلاغ

معراجِ انسانی اور قرآن حکیم

اِس پستی میں سربلندی:

اللہ تعالیٰ کی جناب میں انسان کی پستی وعبادت وہ سربلندی ہے جس سے بڑھ کر سربلندی ممکن نہیں، یہی پستی انسان کو معراجِ کمال تک پہنچاتی ہے اور اس کے خلاف خدا کی جناب میں سرکشی انتہائی پستی میں لا ڈالتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کو معراج کی شب میں جو کمال حاصل ہوا، وہ کمال ترقی اور عروج وبلندی کا آخری نقطہ ہے۔قرآنِ حکیم میں جہاں اس واقعہ کو بیان کیا گیا وہاں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''عبد'' ہی استعمال فرمایا۔ارشاد ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو [معراج کی] رات میں) اس موقع پر لفظ ''عبد'' کا لایا جانا اشارہ ہے کہ عبدیت ہی کا وہ کمال تھا جو معراج کی رات حاصل ہوا، جس سے بڑھ کر کوئی کمال اور رتبہ ممکن نہیں۔اور ابلیس نے جنابِ باری میں

سرکشی کی تھی تو اُس کا بھی انجام معلوم ہے، جس پستی اور لعنت میں گرفتار ہوا، اُس سے بڑھ کر پستی ممکن نہیں

پستی میں سربلندی اور سرکشی میں پستی
اِس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

انسان کا جوہر قلبِ سلیم:

زمین اپنے اندر سے سونا اُگلتی ہے، پہاڑ لعل والماس کا ذخیرہ باہر نکالتا ہے، سمندر سطحِ آب پر نظریں خیرہ کرنے والے موتیوں کا انبار لگا دیتا ہے، آسمان مہ و پروین کی نمائش کرتا ہے، زمین پر باغ و بہاراں کا حُسن نکھرتا ہے لیکن کیا انسان کے پاس کوئی ایسا جوہر نہیں جو اُس کی اندھیری دنیا کو روشن کرے، کیا اُس کی بے سروسامانی اتنی حسرت ناک ہے کہ کائنات کی کسی چشمک کا جواب دینے سے وہ یک سر قاصر ہے، حالاں کہ کیا کچھ اُس کے پاس نہیں، کائنات کو زیرِ نگیں کرنے کا کون سا جادو اُس کے پاس نہیں، بُعدِ منزل کی کوئی تھکاوٹ اُسے ہراساں نہیں کرسکتی اور جب کبھی دامن جھاڑ کر وہ کھڑا ہو جائے تو راہ کی تمام رکاوٹیں اُس کی مستیِ رفتار پر والہانہ نچھاور ہوں کیوں کہ اُس کے درون میں قلبِ سلیم ہے اور اِس کا شانۂ تصور میں ایک جیتا جاگتا تصورِ حیات ہے اور اولوالعزمی ہر گوشۂ حیات میں اُس کی مشعلِ راہ!

پروازِ انسانیت:

قلبِ سلیم کے اُس فطری شرف کی بناء پر جو اپنی گونا گوں برکتوں اور اولوالعزمیوں کے ساتھ حیاتِ انسانی کا بے بہا اور مقدس سرمایہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

(ترجمہ: اور بے شک بڑائی اور بزرگی بخشی ہم نے انسان کو اور مالک
کیا ہم نے انسان کو خشکی اور تری کا)

اِسی کرامت و بزرگی کے پیشِ نظر یہ کہنا بالکل حق ہے کہ انسان اپنی اصلیت کے اعتبار سے کائناتی ہوتے ہوئے بھی گویا کائناتی نہیں ہے کیوں کہ اُس کی مزاجی ترکیب و تخمیر کے تمام اجزاء کو الگ الگ کر دینے کے بعد ایک ایسی حقیقتِ عظمیٰ کا سراغ ملتا ہے جو اُسے کائناتی ثابت کرتے ہوئے بھی خداوندی صفات تک پہنچاتا ہے۔ یہی جوہرِ حیات انسانی زندگی میں جذبہِ خودی کا ایک روشن خط بناتا ہے اور ہر شعبہِ زندگی میں بقدرِ بلوغ یہ راہ نما مینار انسان کو اُس کے صحیح مقام کی خبر دیتا ہے۔ پھر کوئی ایسی نمود نہیں جو اُس کی والہانہ دست رس سے باہر ہو۔ اس عالم کا کوئی عجیب و غریب ایسا نہیں جس پر اُس کے تخیل کی زد نہ پڑتی ہو، تاروں بھری رات ہو یا شبنمی صبحِ بہار، آسمان سے زمین تک ہر گوشہِ وجود اُس کی جولاں گاہِ تگ و تاز ہے اور یہ صاحبِ جبروت، شاہکارِ فطرت انسان سب کا امین و وارث۔ غرض مشاہدات و محسوسات کی یہ لمبی چوڑی کائنات اور اس میں جو کچھ ہے محض اس لئے ہے کہ انسان اُس کا صحیح مصرف لے اور اُس سے شاندار زندگی تعمیر کرے۔ کَمَا قِیْلَ فِی الْقُرْاٰنَ الْحَکِیْمُ ۔ وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ یعنی اُن کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تمہارے تصرف میں دے دی گئی ہیں کہ جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو، بلاشبہ اُن لوگوں کے لئے جو غور کرنے والے ہیں اس بات میں بڑی نشانیاں (روشنیاں) ہیں۔

دوسرا رخ ۔ بے خبری:

لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ جس کے لئے ساری خدائی مسخر کی گئی ہو، خود اس کی زندگی کا کوئی بلند مطمحِ نظر نہ ہو یا کوئی کارآمد تصورِ حیات اُس کا اپنا حصّہ نہ ہو، یہ دوسرا رخ انسانی گراوٹ کا ہے۔

قرآن اپنی معلمانہ شان کے ساتھ انسان کو بار بار جھنجھوڑتا ہے اور اُس کے قوائے عمل کو متحرک کرتا ہے کیوں کہ جانی بوجھی باتوں میں اس سے بڑی بات اور کیا ہے کہ انسان اپنی فطری طاقتوں سے انکار کرے اور وہ جس کے زیرِ نگیں ساری خدائی ہے اور جو ساری خدائی کا تنہا مختار ہے خود اپنے مقصدِ ظہور و تخلیق سے بے خبر رہے، پھر اُس سے بڑا بدنصیب اور مجرم دوسرا کون ہوگا۔ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ط (کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب خدا نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں تم پر ظاہری اور باطنی طور پر بھی پوری کر دی ہیں۔)

کائنات کا لمبا چوڑا دامن رنگ برنگ کے نادر اور اعجوبہ کار کھلونوں سے بھر پور ہے، اور انسان مختار ہے کہ سعادت مندانہ طور پر جس طرف چاہے طلب کا ہاتھ بڑھائے اور اُس کا خاص اسلوبِ بیان کسی ایسے منصوبے کو پورا نہیں ہونے دیتا جس میں بغی وفساد کا کوئی عنصر شامل ہو۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (دیکھو! زمین میں فساد برپا نہ کرو کیوں کہ اللہ فساد پھیلانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔) یعنی اُس کا مطمحِ نظر اتنا بلند اور رفیع الشان ہے جس میں افادیتِ عامہ کے سوا بغی وفساد کا کوئی نام و نشان نہیں چلتا۔

قرآنِ حکیم:

قرآنِ حکیم کی نگاہ میں محبوب ترین تصورِ حیات وہی ہے جو پر امن ہو، بغی وفساد سے دور ہو اور جس میں وہ اُلوہی نور اصل و روح بن کر شامل ہو جسے قرآن کریم اپنی مقدس اصطلاح میں "عبدیتِ کاملہ" سے تعبیر فرماتا ہے۔ غور تو کیجئے کیا یہی وہ لازوال حقیقت نہیں ہے جس سے حیاتِ انسانی معراجِ کمال (یا کمالِ معراج) کو پہنچتی ہے اور انسان اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا شریکِ محفل نہیں ہوتا اور پھر دنیا جہان کی فیروز مندیاں اور سعادت آثاریاں اُس مردِ

مومن کے ایک اشارہ وجنبش پر نثار ہونے کے لئے بیتاب رہتی ہیں جس نے کامل عبدیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کا یہ حقیقی سرمایہ (عبدیتِ کاملہ) اپنے دامن میں معراج کمال کی وہ ساری تابناکیاں سمیٹ لیتا ہے جس کی تعمیر وتکمیل انسانیت کے مترادف ہے۔ شبِ معراج اس حقیقت پر ثبوت اور دلیل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ (جو اللہ کے لئے ہے اللہ اُس کے لئے ہے۔)

کتنے بدنصیب ہم ہیں کہ اُس راہ پر چل کر انسانیت کی معراج وکمال تک پہنچنے کی سعی وکوشش نہیں کرتے اور کتنے خوش نصیب تھے وہ بندے جو اللہ کے بنے اور اللہ کو اپنا بنایا اور اِس خدائی قوت سے انسانی فلاح وبہبود کے عظیم انقلابات برپا کئے جیسے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روحانی قوتوں سے ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کردی۔ محمد شہاب الدین غوری کی آمد اور ہندوستان پر اُس کی فوج کشی خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی قوت کا مظاہرہ تھا۔ اس سے پہلے محمود غزنوی کے حملے بھی شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اشارے پر ہوا کرتے تھے۔ شیخ ذکریا رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں آکر مقیم ہو گئے تھے، ہندو پنڈتوں میں اُن کا بہت اونچا مقام تھا اور اُنہوں نے اپنی کوششوں سے ہندوستان میں محمود غزنوی کی آمد کے لئے فضا تیار کردی اور کرتے رہے۔ اِن دو بزرگوں کا نام بطور مثال یہاں ذکر کیا گیا جن کی قوتوں کے سامنے عظیم الشان شہنشاہ بھی دم نہیں مار سکتے تھے، یہی نہیں مخالف طاقتیں بھی اُن کی طاقتوں کے سامنے پامال ہوتی رہی ہیں۔ یہ بزرگ بظاہر دنیوی جاہ وجلال سے یک سر خالی تھے لیکن ان کی قوت وہی تھی جو اوپر کی حدیث شریف میں بیان کی گئی کہ جو خدائی طاقتوں سے وابستہ ہوگیا اُس کی طاقت، پہنائی، گیرائی اور وسعت کا کیا کہنا۔ اسلامی تاریخ میں ایسی ربانی صفات والی ہستیوں کے کارنامے ہی اصل رہے۔ یہ اُس ''عبدیتِ کاملہ'' کا نتیجہ ہے جو کمالِ معراج بھی عطا کرتی ہے اور معراجِ کمال بھی......!!

(مطبوعہ سیرت۔ بنارس، جولائی/اگست ۱۹۷۷ء)

مساواتِ اسلامی کا ایک ورق

شکست وریخت کا وہ دردناک شاخسانہ جس کی تخریبی تگ و تاز نے تکمیلِ انسانیت کے خواب کو کبھی شرمندۂ معنی ہونے کا موقع نہ دیا دراصل نسلِ انسانی کا وہ روگ ہے جس کے اصلی موثّرات کا حقیقی سرچشمہ فرقِ مراتب، عدمِ مساوات اور حقوقِ استثناء کی لعنتیں ہیں حالانکہ وقت و اتفاق کی خوشگوار مہلتیں ہر زمانے میں انسان کے حصے میں آتی رہی ہیں مگر تقدیرِ انسانی پر حقِ ملکیت جتانے والے انسانی دیوتا عام طور پر سطوت و امارت کے قیام کی خاطر مادہ پرستی اور شخصیت پرستی کی تبلیغ میں ہمیشہ اور ہر زمانے میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں کیوں کہ خود اُن کی فطرت کی غمازی اس حقیقت کو واضح کر رہی تھی کہ بیک وقت کوئی انسان خدا پرست اور انسان پرست (دونوں) نہیں ہو سکتا۔ خدا پرستی بجائے خود انسانی پرستی کی نفی ہی پر قائم ہے، کَمَا قِیْلَ فِی الْقُرْاٰنَ مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ

وارث انسان ماضی کی اس میراث سے کیوں دامن سمیٹ رہا ہے۔

نمرود وفرعون سے فاتح یورپ نپولین بونا پارٹ تک کی ہر صدی، باستثنائے حلقۂ اسلام، شاہد ہے کہ فرقِ مراتب اور اتلافِ حقوق وعدمِ مساواتِ انسانی کا یہ سلسلہ دراز اپنی کمیت وکیفیت میں کل سے آج تک کس قدر ہم آہنگ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ۱۰ اگست ۱۷۹۲ء فرانس کی انقلابی جدوجہد کی کامیابی کا مبارک سال ہے لیکن اصلاحِ فرانس کا یہ یک سالہ محفر بھی شورش وطوائف الملوکی کے چنگل سے نجات نہ پاسکا۔ بظاہر انقلابِ فرانس نے شاہی اقتدار اور مطلق العنانیت کی دست درازیوں سے دنیا کو نجات تو دلادی مگر حقیقی مساوات کی عدمِ تعمیل سے آج تک نسلِ انسانی کے گرے ہوئے طبقے نجات حاصل نہ کرسکے۔ مختلف طبقوں اور تفرق آمیز درجوں کی ہلاکت خیز امتیازی حیثیتیں اب بھی عام انسانوں کے لئے اتنی ہی مصیبت ناک ہیں جتنی کئی صدی پہلے تھیں۔

امیر، غریب، سرمایہ دار اور مزدور، بادشاہ اور غلام کی ان ساری اصطلاحوں میں دردنا کیوں اور مصیبتوں کا وہ کون ساز ہر ہے جو شامل نہ ہو۔ اور آج کہ دنیا ہر چند ترقی پسندی کی دعویدار ہے، بادشاہِ وقت یا رسمی صدر اپنی فضول خرچیوں کے لئے کروڑوں روپے قوم کے خزانے میں صرف کرتا ہے اور کوئی نہیں جو ٹوکے اور باوجود دعویِ اصلاح وتعمیر کے، قوم کے عام افراد سے الگ عظمت وجبروت کے ہیکلوں اور محلوں میں محوِ تعیش ہے اور نسلِ انسانی مجموعی طور پر بھوکی اور ننگی ہو کر عزت وناموس کا سودا کر رہی ہے، یہ وہ دردناک حالات ہیں جن سے آج کی دنیا دوچار ہو رہی ہے۔

مگر اس سے بہت پہلے جب قیادت وامارت کا بھوت خدا تک بن جانے پر اکسا تا رہتا تھا اور مستقل طور پر اتلافِ حقوق کے جبر آمیز تقاضے ان گنت خداؤں کی

پیداوار کا ایک کارخانہ جمائے ہوئے تھے تو گھٹا ٹوپ اندھیریوں کے دامن سے سسکتی ہوئی انسانیت کو سہارا دینے والا اور نسلِ انسانی کو مساواتِ انسانی کی عالمگیر روشنی دکھلانے والا ایک قدوسی شہزادہ نمودار ہوا، جس کے ہاتھوں میں نہ تو تلوار کا قبضہ تھا اور جس کے ساتھ نہ ہی کوئی لشکر جرار۔ دراصل یہ قدوسی ظہور، جبر و استبداد اور شخصی اقتدار کے اندر کچلی ہوئی انسانیت کی مانگ کے عین مطابق تھا، جس کے اجزائے ترکیبی کی قدرتی ساخت یہی تھی کہ عالمگیر مساواتِ انسانی کی بیداری اور تعمیر کا بہتر سے بہتر اُسلوبِ عمل کے ساتھ، اہتمام کیا جائے۔

دنیا کی اب تک کی تاریخ کے جو اوراق ہمارے حصے میں آئے ہیں، ان کا اچھی طرح مطالعہ کر جانے کے بعد، خدمتِ انسانیت کی راہ میں سب سے زیادہ قابلِ اعتنا جو سنگِ گراں سامنے آتا ہے وہ ہر قوم کا ایک خاص قومی تصورِ حیات یا مخصوص مطمحِ نظر ہے۔

مذاہبِ عالم کی بنیادی حقیقت کے علاوہ اسلام سے پہلے پہلے تک جتنے پیروانِ مذاہب اور دعوی دارانِ دعوت و اصلاح سامنے آتے ہیں اُن کی جدوجہد میں کلّی طور پر اور مخصوص قسم کی ایک ایسی تنگی شامل ہے کہ جس میں قطعی طور پر کسی عالمگیر تصور کا، یا ساری نسلِ انسانی کے حقوق و مساوات کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ مذہبی اور صنفی اصطلاحیں اس عصبیت کو برتری اور حقِ افضلیت سے تعبیر کرتی ہیں اور یہی عصبیت جب سیاسی مطمحِ نظر میں اُترتی ہے تو اُسے قومیت و وطنیت کے ''پُرفریب اعتبار'' میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

غرض ان تمام مختلف قسموں اور تعبیروں کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ہر ملک یا ہر قوم اپنے لئے سب کچھ محدود کر لے۔ ظاہر ہے کہ یہ حد بندی دوسرے ابناءِ نوعِ انسانی کی حق تلفی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ قوموں کی زندگی میں (منفی طور پر) کام کرنے والی یہ

ایسی بدیہی مگر ظالم حقیقت ہے جن سے انکار ممکن نہیں۔

قدیم روما کا اصلاحی قدم اور یونان وفرانس کی نام نہاد ترقی پسندانہ سیاسی جدوجہد بھی ان لعنتوں کا خاتمہ نہ کرسکی، حالاں کہ تقدیر انسانی پر حق ملکیت جتانے والے دیوتاؤں نے برابر اصلاح کا دعویٰ کیا مگر تاریخ گواہ ہے کہ اُس کی تشکیل کبھی رونما نہ ہوسکی اور دنیا ہمیشہ آتشناک ہولناکیوں کا مقابلہ کرتی رہی۔

قدیم رومن قانون جو یورپ کی سب سے زیادہ قیمتی پونجی ہے، پر پرواز کی انتہائی بلند پروازیوں کے باوجود فرقِ مراتب اور حقوقِ استثناء کی لعنتوں کا سدّ باب نہ کرسکا او بڑائی چھوٹائی کے مہلک اثرات انسانیت کی پستی تعمیر سے یکسر قاصر رہے۔

مجموعی طور پر اہلِ رومہ تیس یا تینتیس قبائل میں تقسیم ہوکر رہ گئے تھے اور ترقی کے فقدان کا یہ حال تھا کہ اُن میں سے ہر قبیلے کا معبد اور معبود جدا جدا تھا، عہدہ دار، پادری، پیشوا، تیوہار غرض کوئی چیز یکسانیت کے ساتھ مشترک نہ تھی اور تیسری تقسیم تو محض مال و جائداد ہی کی اولیت وافضلیت پر مبنی رہی۔ سب سے اول طبقہ قانوناً اجارہ داروں اور مالداروں کا تھا اور سب سے نچلا طبقہ غریبوں اور مزدوروں کا (بحوالہ از معاہدۂ عمرانی، روسو) اور افسوس یہ کہ کسی دور کے دماغ فکر وایجاد نے ترقی پسند جدوجہد کے باوجود کبھی اس چہار دیواری کو منہدم کرنے کی جرأت نہیں کی جو فی الاصل نسلِ انسانی کی فطری ہم آہنگی کا سب سے بڑا حق تھا۔

یہودیت عیسائیت اور دوسرے حلقہ ہائے اعتبار ونظر جو سوءِ اتفاق سے ایسے ہاتھوں میں پڑے جو انسانیت کے لئے درندہ صفت ثابت ہوئے اور مذہبِ حق کی سچّی تعلیم یکسر اُن کی دیسہ کاریوں کا شکار بن کر مسخ ہوگئی۔ کلدان اور مصر کی سرزمین پر زندہ مجبور و محکوم انسانوں کو آگ میں ڈال دینے والے خونی دیوتا یہودیت کو جس جس طرح آلۂ کار

بناتے رہے، اب بھی وہ غم ناک نقوش صفحاتِ ماضی پر لالہ گوں ہیں۔

اسی صحیفہ مذاہب کا حرفِ آخر دینِ فطرت، اسلام ہے جس کی تعلیم وتبلیغ کا مورد ومبلغ دنیا کا کوئی محدود علاقہ اور اقوامِ عالم میں کوئی مخصوص قوم یا ملک وگروہ نہیں ہے۔

مذاہب کی تاریخ میں اسلام سے پہلے دین ودنیا دونوں رُخوں کو اپنانے یا تابناک بنانے کی جدوجہد کرنے والا کوئی مذہب اسلام کے سوا نہیں پایا جاتا۔ ہر چند اس بارے میں ایک خاص نقطۂ نظر پیدا ہوتا ہے جو حسبِ نبوت کے مراتب سے متعلق ہے۔ قطعِ نظر اس کے اساسی طور پر اسلام کی حیثیت دوسرے تمام مذاہب میں قطعی مختلف ہے۔

اسلام کا پیش کردہ تصورِ الٰہ حقیقتاً زمین وزماں اور مکین ومکاں کی حد بندیوں اور اخلاقی نوعیتوں سے یک سر پاک صاف ہے۔ قید بندیوں کی ہر شق جو کسی ایک ملک یا ایک قوم کی قومی خصوصیات سے متعلق ہوتی ہے، اساسی طور پر اسلام کے کسی گوشے میں اُس کے لئے کوئی درجۂ قبول نہیں ہے اور نہ ہی اُس کی بنیادی حکمتِ عملی اور اساسی قانون [لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ] کوئی ایسا تصور پیدا کرتا ہے جس سے حد وقید کا کوئی معمولی سے معمولی شائبہ بھی پیدا ہوسکے۔ اسلام کی یہ اساسی حکمت عملی جسے اسلام کی وسیع المفہوم اصطلاح میں عقیدۂ توحید یا اساسی قانون [لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ] کہتے ہیں، اس کے سوا کیا ہے کہ خالقِ کائنات کا تصور جو حقیقتاً تمام مخلوقات وکائنات کے لئے یکساں طور پر رحمت وہدایت کا سرچشمہ ہے، تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں طور پر اشتراک واتحاد اور رحمت ورافت کا سبب بن جائے۔ تبھی تو اُن گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں رحمتِ الٰہی کا پیکرِ قدوسی نبی ﷺ اسلام کی شمعِ منیر لئے ہوئے ظاہر ہوئے اور فاراں کی چوٹی سے وادیِ مکہ اور عربوں کے واسطے سے دنیا اور نسلِ انسانی کو یہ پیام سنایا:

تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا

نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ الخ

آؤ ایک بات کی طرف جو ہم میں تم میں متفق علیہ ہے (آؤ اُس حقیقت کے قبول وتسلیم کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان برابر برابر مفید ہے) یعنی خدا کے سوا کسی کی بندگی اختیار نہ کریں۔ نہ اُس کی حاکمیت وخدائی میں کسی کو شریک ٹھہرائیں، اور نہ ہم خدا کے سوا ایک دوسرے کو اپنا خدا اور آقا بنائیں۔

اُس کی توحید کا یہ عالمگیر تصور ساری نسلِ انسانی کو یکساں طور پر ہدایت وسعادت کی نورین کرنوں سے زندہ کر رہا ہے۔ ربوبیتِ الٰہی کا عالمگیر قانون جس طرح کالے، گورے، امیر غریب کی تعریف کا پابند نہیں اُس طرح اُس کا حقیقی تصور بھی کسی محدود علاقہ یا مخصوص ملک وقوم سے متعلق نہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی قدوسی موزونیت ومعنویت کا حاصل مطمحِ نظر اس کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا کہ ساری نسلِ انسانی جس طرح اپنے حقیقی پروردگار کی ودیعتوں اور بخششوں میں برابر ہے اُسی طرح شکرگزاری کے مرتبہ میں اُس کی بندگی ومحکومی کی سعادت بھی یکساں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیم وتبلیغ سے جو جماعت معرضِ وجود میں آئی، عالمگیر مساواتِ انسانی کے علاقہ، پر ساری نسلِ انسانی کے ایک عالمگیر کنبہ کی ہدایت وسعادت اور خدمت و حریت اُس کا نصب العین ٹھہرا۔

جب ہر قبیلہ اور ہر خاندان دوسرے قبیلے اور خاندان سے بُعد المشرقین کا فرق و اختلاف رکھتا تھا اور عصبیت کا دیوتا اسی قوم کو دوسری قوم پر افضل وبہتر بتا کر علاقہ بندی اور ٹولی بندی کی نہ ٹوٹنے والی حدیں قائم کر رہا تھا۔ یورپ ایشیا کو اور ایشیاء یورپ کو ناقابلِ اتحاد وتعلق ارزل اور ابتر علاقہ سمجھ رہا تھا، یہودی اپنے سوا سب کو اور مسیحی اپنے علاوہ ساری

نسلِ انسانی کو پیدائشی محکوم وذلیل سمجھتا تھا، قوموں اور قبائل کی اونچ نیچ اور بلند وارزل کی ناقابلِ شمار تقسیموں کی کوئی حد نہ تھی۔ عین ان حالات میں بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پر جلال وعظمت آوازۂ حق گونجا کہ:

(۱) النّاس کلهم بنو آدم و آدم من تراب

(۲) لیس لا حد علی احد فضل الاّ بدین و تقویٰ

(۳) والنّاس کلهم عیال الله واحب الخلق الی الله من احسن الیٰ عیاله رواہ مسلم

حق وصداقت کا یہ وہ عظیم وجلیل آوازہ تھا کہ قومیتوں اور نسلی غرور وتفاخر کے تمام فرضی معبود ایک ایک کر کے چکنا چور ہو گئے۔ انسانی امارت وقیادت اور شخصی اقتدار وحکمت کا سارا کارخانہ شدوفساد اس جلالِ حق وصداقت سے خاکستر ہو گیا۔

ضرورت ہے کہ ہم غور کریں کہ صحیح معنوں میں بانیِ اسلام کی تبلیغی جدوجہد کے ہاتھوں دنیا کی تاریخ کا وہ انوکھا انقلاب جو پیدا ہوا اُس کی کامیابی کے حقیقی موثرات کیا ہیں۔

عربوں کی زندگی سے دلچسپی اور معلومات رکھنے والے جانتے ہیں کہ اُن کی زندگی سادگی کا کتنا لطیف مرقع تھی، ہر چند اخلاقی وروحانی پستیوں نے اُن کی زندگی کو گھیر رکھا تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اُن کی سادہ لغت میں کسی انقلاب کا کوئی بسیط عنوان یا بلیغ مفہوم شامل ہی نہ تھا۔

بہر حال! بانیِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مبارک جدوجہد جسے ہم تبلیغِ اسلام سے تعبیر کرتے ہیں کسی خاص قومی نقطۂ نظر یا محدود علاقائی مطمحِ نظر کی حامل نہ تھی۔ عرب کی انسانی آبادی یا قریش تو عالمگیر نسلِ انسانی اور اسلام یا بانیِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان محض حرفِ ربط یا واسطہ ثابت ہوتے ہیں ورنہ اسلام اگر کسی مخصوص قومی وعلاقائی مطمحِ نظر کا حامل ہوتا تو

وہ عالمگیر قومیت کا تصور، جو اُس کے اگلے اقدام پر نمایاں ہوا، پیدا نہ ہوتا۔

قومیتوں کی مکرہ و مذموم جڑیں کاٹ کر اُس نے عالمگیر انسانیت کی تنہا اساس پر حقیقی اور ترقی پسندانہ قومیت کی تشکیل کی، باطل خداؤں اور معبودوں کی تفرق آمیز ہلاکت آفریں حدوں کو توڑ کر وحدتِ انسانی کے رجحان پر مبنی عالمگیر ربوبیتِ الٰہ کے انقیاد و اطاعت کا یکساں طور پر عالمگیر اور قابلِ قبول تصور پیش کیا اور ایک برتر خدا کی قوت و یکتائی کو فطرتِ انسانی کے عام وجدان کی ہم آہنگی و یکسانیت کی بنیاد پر حاکمیت و مالکیت کے حضور میں جھکا کر پوری نوعِ انسانی کو ان گنت معبودوں اور مالکوں کی محکومی و غلامی سے بے نیاز و آزاد ہو جانے کا سبق پڑھایا۔

مساواتِ اسلامی کا یہ اساسی مرتبہ (جو عام طور پر قابلِ توجہ نہ بن سکا) صرفِ نظر کا وہ عجیب و غریب مرحلہ ہے جو آئندہ پیدا ہونے والے تمام اقدامات و اعمال کی بجائے خود تفسیر ہے۔

انسانی زندگی کا بلند سے بلند تقاضا جو انسان کی ترقی و خوش حالی پر مبنی ہو، کیا یہی نہیں ہے کہ ہر انسان کے معاملات و حقوق دوسرے کسی بھی انسان کے برابر ہوں۔ پس ہزار بار اس قول جمیل و عظیم (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) کو پرکھو اور لاکھ بار کھنگالو، مگر کوئی ترقی یافتہ تصورِ حیات موجوداتِ عالم میں اس سے زیادہ ترقی پذیر قدروں کا حامل ملے، قطعی محال ہے۔

اسلام کے اجزائے ترکیبی کی قدرتی ساخت یا اُس کے پیش کردہ مجموعہ کے مختلف گوشے جو اپنے مجموعہ یا کُل سے کُلّی طور پر پیوستہ ہیں۔ حقیقتاً وہ مختلف الطبائع مجسمے ہیں جو ظہورِ اسلام کے پہلے پہلے تک کسی طاقت سے بھی متحد نہیں ہو سکتے تھے۔ اسلام کی ترکیبی و قدرتی ساخت نے اُن کو ملا کر ایک ایسا عظیم مجموعہ تیار کیا جس کی اب تک کوئی دوسری مثال سامنے نہیں۔

حبشی بلال ﷺ، فارسی ضرار ﷺ، رومی صہیب ﷺ اور قریشی صدیق ﷺ و حیدر ﷺ وہ مختلف زاویے تھے جو کسی طرح ایک ناتے میں نہیں بندھ سکتے تھے لیکن اسلام کے عالمگیر تصور نے بیک اشارہ اس طرح گھلا ملا دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت ایک کو دوسرے سے ممیز کرنے پر قادر نہ ہو سکی، یقیناً یہ جدید قومیت کا تصور تھا۔ اور اس سے کیوں کر انکار کیا جا سکتا ہے کہ اس عالمگیر تصورِ قومیت نے نسلِ انسانی کی وحدت اور ناقابلِ انکار روحِ مساوات کو عملی طور پر دنیا کے آگے پیش کر دیا اور جو بات دنیا کے لئے سب سے زیادہ مشکل ثابت ہو رہی تھی وہ بانیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ولولہ خدمت انسانی کے لئے سب سے زیادہ آسان بن گئی۔

دراصل یہ مساواتِ انسانی کا عالمگیر اقدام تھا اور فطرتِ انسانی کا وہ حقیقی تقاضا جس کی عدم تعمیل نے تکمیل انسانیت کے تمام امکانات پر بہ یک قلم پانی پھیر رکھا تھا ورنہ انصاف یہ ہے کہ اساسی طور پر اسلام کا مرکزی نقطہ (کلمۂ توحید) نسلِ انسانی کی قید و بند سے آزادی اور تشکیلِ مساوات کے عالمگیر رجحان کو نمایاں کرتا ہے۔

مساواتِ انسانی کا یہ ورق یعنی نسل وقول کی تمیز کا اُٹھ جانا ہی حقیقتاً تکمیلِ انسانیت کے مترادف ہے۔ دنیا اپنا دامن ہزار چھڑانا چاہے مگر اسلام کی گرفت سے وہ نکل نہیں سکتی کیوں کہ اسلام نے انسان کو انسان بنا کر انسانیت کی سب سے بڑی مانگ پوری کی ہے......!!

(پندرہ روزہ رسالہ الجماعت۔لاہور کے نومبر ۱۹۴۹ء کے پہلے پکھواڑے میں شائع ہوا)

✿

تلاش منزل

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹّی بہت زرخیز ہے ساقی

وقت کے موجودہ انتشار نے مسلمانوں کے ملّی و معاشرتی رجحانات پر جو اثرات پیہم مرتب کئے ہیں اور اجتماعی قدروں کی نشو و نما میں جو بحرانی کش مکش پیدا کر دی ہے ان سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب کبھی شام و سحر کی رنگین دل آویزیاں واپس نہ آسکیں گی اور یہ اندھا دھند تخریبی سازشیں بہ خیال خام مسلمانوں کی معاشرت، تمدن اور مذہب و اخلاق کے دھارے کا رخ موڑنے میں شاید کامیاب ہو جائیں گی۔ حالانکہ یہ بات فریب فکر و نظر سے زیادہ کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ دراصل سوال ہزار دو ہزار کا نہیں ہے۔ سات کروڑ انسانوں کے اس عظیم گردہ کا معاملہ ہے جو جماعتی اکائی سے کسی ملک کی قسمت بنانے اور بگاڑنے کی فطری صلاحیتوں سے ہم کنار ہیں جس کے دامن سعادت میں ایک عالمگیر بین الانسانی صالح ترین

نظام زندگی کی پاکیزہ تر امانتیں جلوہ ریز و گہر بار ہیں تاریخ ارتقا شاہد ہے کہ نوع انسانی کی تحصیل سعادت کی راہ میں ایک ذمہ دار صالح نظام کی رہنمائی کی شدید ضرورت ہر زمانے میں انسانی سوسائیٹی کے سامنے ابھرتی رہی ہے اور قدم قدم پر ہمہ گیر مسائل حیات کی الجھنوں نے اس ضرورت کو ہمیشہ مانگ اور مطالبۂ انسانی کے روپ میں پیش کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انقلاب فرانس اور دنیا کی دوسری اصلاحی شقیں معرض ظہور میں نہ آتیں۔ یہی انقلاب فرانس ہے جسے یورپ اٹھارہویں صدی کا کامیاب ترین اصلاح شاہکار اور نظریہ ارتقا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن دیانتدارانہ تجزیہ اس حقیقت کو دلیل بنا کر نمایاں کرتا ہے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں یورپ نے ارتقا و اصلاح کی جو چھلانگیں لگائیں تھیں وہ انسانیت کی تکمیل کے رنگ وروغن سے یکسر بے بہرہ تھیں اور کوئی صالح نظام یورپ کے ان بلند بانگ دعووں کے باوجود عالمگیر طور پر رونما نہ ہوسکا جس طرح بعض بیماریوں کے اثرات انسان کو چڑچڑا اور خبطی بنا دیتے ہیں بالکل اسی طرح صدیوں کی اخلاقی کمزوری بھی وارفتہ شعور واحساس کر دیتی ہے۔ اور قوم کے اخلاقی شعور کو اس کی حد بلوغ پر روبراہ کرنے کے لئے ایک صالح نظام تربیت کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ عالم اسلام کی ہمہ گیر سرگذشت میں طوفان حوادث کی لہروں کے انتشار انگیز اثرات کے سائے پڑے ہیں اور گردش شام وسحر کے رنگین نقوش کے بننے اور بکھرنے کا ایک سلسلہ دراز ہے۔ امنگوں کی سرخ دھاریاں اور محفل شب کی جان چاند تارے زندہ دلان منزل شوق کو معنی خیز انقلاب کا کتنا گیت سناتے رہے۔ صبح سیمیں کی زرتار کرنیں تشنگان باغ و بہاراں کے قدموں پر شبنم کے زرنگار موتی نچھاور کرتی رہیں لیکن قافلۂ انسانی پھر بھی منزل فلاح وارتقا کی حقیقی روشنی سے ہم کنار نہ ہوا۔ اور خلاؤں میں اسٹیشن بنانے والا انسان زمین پر ناموس انسانیت کی قدر و قیمت سے متعارف نہ ہوسکا۔ انسان کی گمراہی منزل اگر یہی کرتی کہ وہ اپنے خود ساختہ تصورات ومزعومات کو کلیجے سے لگائے اپنی راہ چلتی تو اتنا گلہ نہ تھا۔ زمانے کی ستم ظریفی نے اسلام اور اسلامی قدروں کی نشو ونما کی راہ میں جو رکاوٹیں پیدا کیں ان کا تسلسل ٹوٹتا نظر نہیں آتا بلکہ یہ سلسلہ دراز تر ہوتا جاتا ہے۔ فریق مخالف کا یہ محاذ جو

مخصوص طور پر اسلامی آثار و روایات کے استیصال کی خاطر پورے زور و شور سے سرگرم عمل ہے انتہائی طور پر عالم اسلامی کے لئے نہ صرف تشویش انگیز ہے بلکہ ایک نتیجہ فکر و نظر کا متقاضی بھی ہے۔ خاص طور پر سرزمین ایشیا کا اسلامی حلقہ جو نت نئے فتنوں اور مسلمان کش پالیسیوں کی آماجگاہ بن رہا ہے۔ یہ ہمہ گیر اسلامی دشمن سازشیں مسلمانوں کی صرف جانی و مالی تباہ کاری سے اپنی پیاس بجھانی نہیں چاہتیں دراصل ان کے پیش نظر خالص اسلامی زاویہ فکر و نظر کی بربادی ہے اور یہ گلہ ناک حقیقت ہے کہ ان شاطرانہ چالوں نے خود مسلمانوں میں ایک ایسا دوررس اور مہلک مغالطہ، تصور پیدا کر دیا ہے کہ جس سے اسلامی قدروں کی روبراہی میں چند در چند رکاوٹیں اور دقتیں نمایاں ہو رہی ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک نتیجہ خیز کڑی زوال خلافت کے اسباب و موثرات کا پس منظر ہے۔ اور دوسری ہمت شکن حالتیں وہ ہیں جو جزائر عرب اور مصر و فلسطین شام و عراق وغیرہ کو ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کرنے میں محرک ثابت ہوئیں۔ دراصل یورپ کے شاطر سیاست دانوں نے محض اس غرض سے ان سیاسی کھلونوں کی نمائش کی تھی کہ ایک دن ایسا بھی آ جائے کہ ٹرکی کا مرد مجاہد خود اپنی طاقتوں کو سمیٹنے پر مجبور ہو جائے اور مشرق وسطیٰ استبدادیت کے پروان چڑھانے کی اعلیٰ ترین منڈی ثابت ہو سکے۔ ہندوستان میں سنہ ۵۷ء کی جنگ آزادی بھی انہیں تصورات کی رہین منت تھی اگرچہ نوعیت بدلی ہوئی تھی لیکن نتائج کے اعتبار سے یکسانیت تھی اور ان موثرات کے بعد سے اب تک محسوس اور غیر محسوس طور پر جو کچھ عالم اسلامی میں رونما ہو رہا ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں جس قدر ابتری اور انتشار کی کیفیتیں اثر انداز ہو رہی ہیں انہیں اگر ماسبق حالات کے سنگین نتائج سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور اب کہ ملک گیر طور پر مسلمانوں کے خلاف ان کی جان و مال کے درپئے ان کی عزت و آبرو کا سودا کرنے کے لئے جو وحشت ناکی اور بہیمیت زور و شور سے ابھری ہوئی ہے ان سے صرف نظر کرنا اور انہیں اتفاقی حادثات سے تعبیر کرنا بجلیوں کی باڑھ میں بجلیوں کو جھٹلانا ہے۔ لیکن کیا کسی ایسی قوم کے حق میں جو بجلیوں کی باڑھ اور طوفان کی لہروں اور سیلابوں کے آغوش میں پل کر جوان ہوئی ہو صرف ان ناموافق حالات اور نامساعد

اثرات کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب کوئی علاج ممکن نہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں اس قسم کی اس سے ہلکی بات بھی کہنا گناہ ہے۔ کیونکہ جان و مال کی بربادی، تجارت کا زوال صنعت وحرفت کی تباہ کاری اور عزیز ترین تمناؤں کا گھٹ کر رہ جانا اعزہ کا موت کے آغوش میں چلے جانا زندگی کے آرام وسکون کا یکسر رخصت ہو جانا اور اپنی نظروں کے سامنے اپنے کلیجوں کے ٹکڑے اور شیر خوار بچوں کا ذبح کیا جانا ایک مسلمان کے لئے یہ ساری مصیبتیں رو پیٹ کر اور کلیجے پر پتھر رکھ کر صبر کئے جانے کے قابل ہو سکتی ہیں لیکن وہ ناموس اسلام کی بربادی وتباہی کا جانکاہ منظر اپنی نظروں سے تماشائی بن کر دیکھنے کا متحمل نہیں۔

چرخ نیلی فام سے پوچھو، گردش صبح وشام کی حرکتوں سے گواہی لے لو اور گذشت انسانی کی شکست وریخت کے لمحات سے دریافت کر لو مصائب کے طوفانوں سے کھیلنے والا مرد مجاہد سمندروں کی موجوں پر دندناتا ہوا مرد مومن اور تلواروں کی چھاؤں میں اللہ اکبر کا غلغلہ بلند کرتا ہوا مسلمان مدائن کے تاپوؤں میں جبل الطارق کی گھاٹیوں میں قادسیہ دیرموک کے میدانوں میں موت کے تھپیڑوں کو طوفانوں کی بلا خیز لہروں کو حوادث کے سیلابوں کو اور تلواروں کو لبیک کہتا ہوا اور للکارتا ہوا جب دشمنان دین کی صفوں پر برق خاطف بن کر اپنی کوندے کائی کی طرح دشمنوں کے دل بادل لشکر کو پھاڑ دیتا ہے تو رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر اس پر برسنے لگتی ہیں اور کامرانی اس کے قدموں پر شوق سے نچھاور ہوتی ہے۔ مرتے بھی ہیں ایک گوشۂ گمنامی میں ذلت کی موت مرتا ہے اور زمانہ اسے حرف غلط کی طرح بھول جاتا ہے۔ دوسرا مرد میدان بن کر دلیرانہ اقدامات کرتا ہوا اور قومی دفاع کا کمال دکھاتا ہوا جام شہادت نوش کرتا ہے تو اس کے قطرات خون پر رحمت کا فرشتہ حیات جاوداں کے پھول برساتا ہے

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حمزۂ شجیع کی والہانہ قربانی فاروق اعظم کی درس آموز شہادت مقدسہ علی مرتضٰی کی بابرکت شہادت متبرکہ اور سید الشہداء کا ذبح عظیم خالص اسلامی زندگی کے وہ حسین ترین عنوانات

جلیلہ ہیں جن سے جتنا استفادہ و استفاضہ کیا جائے اور زندگی جاوید سے مالا مال ہونے والی یہ وہ روشن و تابناک مثالیں ہیں جن پر ملت اسلامیہ جتنا بھی فخر و ناز کرے کم ہے۔

اسلام کی تاریخ میں فروغ اعلائے کلمۃ الحق اور ناموس دین وملت کے تحفظ کی خاطر جو مسلمان بھی مصائب و آفات کا شکار بنتا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کا کارنامۂ جلیل انجام دیتا ہے وہ نہ خود زندۂ جاوید ہو جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی حق پرستانہ زندگی کی پاکیزگی کی عملی تعلیم دے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی شدائد و محن کی زندگی کا ہر لمحہ تابناک عبادت بن کر درخشاں اور برکت فشاں بن جاتا ہے اور اسلام کی اصطلاح میں اس کی ہر حرکت و عمل کے بدلہ میں دس نیکیاں ودیعت کی جاتی ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ **من جاء بالحسنة فلهٗ عشر امثالها**۔ مصیبتوں بھرے حالات اور تلخیوں سے لبریز لمحات دوسروں کے لئے گھبراہٹوں اور بے چینیوں کا موجب ہوں تو ہوں لیکن مسلمان کے لئے تو اس کی ہر نیکی کے عوض دس نیکیاں اس کے حصہ میں آتی ہیں۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ مسلمانو! سراسیمگی اور پریشانی کیا ہے۔ بہر حال میدان فائدوں سے خالی نہیں۔ دفاع میں کمزوری پیدا نہ کرو۔ حالات کی مناسب نگرانی۔ زندگی کی بناوٹ میں ہم آہنگی و توازن اور اسلام کی بخشی ہوئی اجتماعی قدروں کا احیاء و تحفظ اور ان سے صالح نظام زندگی کا بندوبست۔ مسلمانوں کی ملّی و اجتماعی زندگی کی سازگارانہ ترکیب و تشکیل کے یہی اجزا ترکیبی جن کا خمیر اسلامی خود اعتمادی کا ثمرہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے تمام ترکلیدی زاویے ہیں۔ حکیم مشرق علامہ اقبال پر اللہ رحمتیں نازل کرے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم   جہاد زندگی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

دفاعی طاقتوں کی مضبوطی جو کسی قوم کے لئے لازمہ حیات کا درجہ رکھتی ہے بغیر اس کے کہ کسی انسانی جان کی قدر و قیمت کو نظر انداز کیا جائے یقیناً اپنی جگہ پر بے حد ضروری ہے۔ اسلام ظلم و فساد کو ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتا کیونکہ انسانی معاشرہ کی برومندی ظلم و فساد کے ہوتے ہوئے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی اور اسی لئے وہ فرماتا ہے۔ **من قتل الناس فکانما قتل الناس**

جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔ جس کسی نے کسی ایک انسان کو بے قصور قتل کر ڈالا (بجز حالت قصاص یا ان لوگوں کی سرکوبی وسرزنش کی حالت کے جو خدا کی زمین میں خون ریزی اور فتنہ وفساد برپا کر کے معاشرہ انسانی کو تباہ کر رہے ہوں) تو گویا اس نے پورے معاشرۂ انسانی کا گلا گھونٹ دیا اور قتل کر ڈالا۔ اور جس کسی نے کسی ایک انسان کی زندگی بچالی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی۔ دعوت فکر ونظر کا یہ مقام انسانی شعور وبینش کے لئے کس قدر سبق آموز اور عبرت آگیں ہے۔ اسلام کی ہمہ گیر تکمیل انسانیت کی عالم افروز قدروں کی روشنی میں انسانی جان ومال کا تحفظ اور احترام انسانیت کا مرتبہ اتنا واضح اور [illegible]
قوم کا شاندار اور روایاتی واخلاقی کردار اپنا مفید تربیتی تسلسل کھو بیٹھتا ہے اور تعلیم تجارت معاشرت اخلاق صنعت وحرفت کسی شعبہ میں حوصلوں اور جاندار ولولوں کی ہم آہنگی باقی نہیں رہتی۔ جب قوم کا مزاجی توازن باقی نہیں رہتا تو اس کا سارا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے۔ اور پھر وقت کی بے وقت ہوائی لہریں بھی سکون واطمینان کی زندگی کو تہس نہس کر دینے کے لئے کافی سمجھی جانے لگتی ہیں۔

کسی لادینی نظام میں دینی قدروں کی نشوونما کے بندوبست کے لئے وقت کے رحم وکرم پر بھروسہ کرنا بصیرت کے منافی ہے۔ خالص اسلامی زندگی کی تحصیل وتشکیل مسلمانوں کے لئے عظیم تر دینی فریضہ ہے۔ اس کے حصول میں قصور ہوسکتا ہے اور اس کی تہذیب وتعظیم میں مسلمان غلطیاں کر سکتے ہیں لیکن کوئی مسلمان اس کی عظمت وبرکت کا انکار نہیں کرسکتا۔ دراصل صحیح اسلامی زندگی نوع انسانی کی اکمل ترین زندگی کا روشن تصور ہے اور اس لئے ہم دیانت دارانہ طور پر خالص اسلامی زندگی ہی کو تمام مصیبتوں کا واحد حل یقین کرتے ہیں۔ انسانیت کی بقا وحفاظت اور نوع انسانی کی مفید ترین خدمت اسی زاویہ فکر ونظر کے تحت انجام پذیر ہوسکتی ہے۔

سے دست بردار ہوتے رہے ہوں تو، آمادہ و تیار نہ ہو جانے کو ں اور ن ار۔ سہ کے
کے اصلی اضمحلال کا سرچشمہ دراصل قوم کی خودناشناسی اور خودفراموشی کے سوتوں سے پھوٹتا
لھر میں خودناشناسی اور فریب خوردگی کا تجربہ کیا کہ قومی تجارت رکیۓ لیں نے: ما نے لیکن ہر
ہر گھونٹ کیف آور بھی تھا اور ہوش ربا بھی۔ موجودہ شورشوں نے پھر ملت اسلامیہ کو اس موڑ
پر لا کر کھڑا کر دیا ہے جو ایک طرف اگر سنگین عواقب و نتائج کا دروازہ کھول رہا ہے تو دوسری
جانب حیات رفتہ کے سراغ کی نشاندہی بھی کر رہا ہے، گہری نیند کے متوالوں کو کاروان
وقت کی رستخیز نے پھر جھنجھوڑا اور چونکایا ہے اگر جلد ہی کمر کس نہ لی گئی تو ڈر ہے کہ فلک کج
ہو کہیں ہے کہ جا کی میٹھی لوماں سے کے اور خواب آور گھونٹ پلا کر پہلے سے زیادہ گہری نیند
سلانے کا جتن نہ کر دا گئے: سما تو ص محلے کی آرائشگی اجڑ جانے کا غم صنعت و حرفت اور
ہو سکتی ہے کہ جان و مال کے تحفظ کی فکر عشرت شبانہ کی حلاوتوں سے لطف اندوز ہونے کا
وسوسہ اور پرسکون زندگی کا فریب تصور محلوں کی آرائشگی اجڑ جانے کا غم صنعت و حرفت اور
تجارت و معیشت کی ترقی و بہبود کا احساس مذہب و اخلاق اور اسلام کے اس اساسی تصور کی
چمک کو ماند کر دے جو اس امت کے لئے زیادہ گراں قدر اور کائنات وجود سے زیادہ عظیم تر
ہے تشخص کی ہر شق اور امن و طمانیت کی ہر جد و جہد کا منشا اول و آخر اسلامی قدروں کے
رو براہ ہونے پر موقوف ہے۔ اور اسی پر خصائص کے استحکام و تحفظ کا انحصار ہے۔ یہ ہے تو
سب کچھ ہے اور یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ امام بخاریؒ نے یہ حدیث روایت فرمائی: لاطاعة
لمخلوق فی معصية الخالق یعنی مادی تعلقات کی تمام شقیں گر جاتی ہیں جہاں اللہ
تعالیٰ کی نافرمانی و سرکشی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کی چھاؤں میں رخصت کا لمحہ نمودار

نہیں ہوتا یہاں تو بس عزیمت کی کارفرمائی ہے۔قرآن کریم ارشادفرماتا ہے''وکائن من نبی قاتل معہ ربیون کثیرط فما وھنوالما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما ستکانو اواللہ یحب الصابرین۔اور دیکھو کتنے نبی ہیں جن کے ساتھ ہوکر بہت سے باخدالوگوں نے اللہ کی راہ میں جنگ کی لیکن کبھی ایسانہیں ہوا کہ ان سختیوں اور مصیبتوں کی وجہ سے جوانہیں خدا کی راہ میں پیش آئیں وہ بے ہمت ہو گئے ہوں اور نہ ایسا ہوا کہ وہ کمزور پڑ گئے یاان کی عزت نفس اور غیرت ملی نے یہ بات گوارا کرلی ہو کہ ظالموں کے سامنے عجز و بے چارگی کا اظہار کیا ہو۔بے ہمتی وکمزوری اور عجز و بے چارگی ایسی باتیں ہیں جن کو باخدا دنیدار اور خوددار مسلمان گوارانہیں کرسکتا اور اللہ انہیں لوگوں کو دوست رکھتا ہے جومشکلات ومصائب کی آزمائشی گھڑیوں میں دین کی سربلندی اور اسلامی قدروں کی سرفرازی کے لئے ثابت قدم رہتے ہیں غرض قرآن کی روشنی میں باخدا اور سچا مسلمان وہی ہے جوشدائدومحن میں ہمت نہ ہارے اور حالات کا دل جمعی اور ہوشمندی سے مقابلہ کرے اور اپنے دفاع وتحفظ کی راہ میں کسی کمزوری کو آڑے نہ آنے دے اور سختیوں سے گھبرا کر ظالموں کے آگے عجز و بے چارگی کا اظہار نہ کرے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اکثر بستر استراحت پرآرام فرمانے کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارکہ پر یہ کلمات جاری ہوتے تھے:''اللھم انی اعوذبک من الجبن و اعوذبک من الکسل''۔اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے بزدلی وبے ہمتی کے وسوسوں سے اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے سستی وکاہلی کی نحوستوں سے۔

دراصل زندگی فرد کی ہو یا جماعت کی اس کی بناوٹ میں طاقت وجولانی اور ابھرنے کا ولولہ انتشار واضطراب کے ہاتھوں ہی پیدا ہوتا ہے۔حساس قوموں کی زندگی میں ذات وزوال کا روگ ایک بار ہی آتا ہے۔لیکن جب کوئی فرد یا جماعت اس روگ کو معمولات زندگی میں شامل کرلیتی ہے تو یہی روگ قومی وملی موت کا شاخانہ بن جاتا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی نے ایک حدیث روایت کی ہے۔قال النبی صلی اللہ علیہ

وسلم والذی نفس محمد بیدہٖ لتأمرن بالمعروف و تنھون عن المنکر اولیوشکنَّ اللّٰہ ان یبعث علیکم عقابامن عندہٖ ثم لتدعونه فلا یستجاب لکم ''۔فرمایا نبی کریم علیه التحیة و التسلیم نے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کماحقہٗ تکمیل پر آمادہ وتیار ہو جاؤ ورنہ خدا تم پر اپنا عام عذاب بھیجے گا پھر تم پکارو گے لیکن تمہاری پکار شرف قبولیت سے نوازی نہ جائے گی۔

فطرت انسانی نے اپنے اولین مرحلۂ آفرینش سے اب تک چاہے جتنے مراحلِ ارتقا طے کئے ہوں اور پرواز فکر ونظر کے جتنے مرکزی دائرے بھی بنائے ہوں اس پورے افسانے کا مرکزی کردار صرف تلاش منزل کے رنگارنگ نقش ونگار کے گرد گھومتا نظر آتا ہے جادۂ حیات کے بے صبر راہی نے تعین منزل کے بارے میں کبھی ایک حالت پر قناعت نہیں کی اور نہ ہی اس تلاش میں کبھی آسودگی سے ہم کنار ہو سکا۔خواہ فکر ونظر کے دھوکوں نے برخود غلط بے شمار اصنام تصور تراشے اور ڈھائے ہوں اور بہ قدر ذوق بلوغ حسین سے حسین تر رنگ وروغن ان کی دل کشی ودل آویزی میں صرف کر ڈالا ہو۔لیکن شام کا مسافر صبح منزل کی زرتار کرنوں سے زندگی کا دھندلکا دور نہ کر سکا۔بصیرت کا یہ دلفریب شہکار ہمیشہ بصارت کی چکا چوند میں کھویا کھویا رہا۔قرآن کریم نے انہیں تمثالی حالتوں کا یوں نقشہ کھینچا ہے:
'' لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۞ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۞ ''۔بے شک ہم نے انسان کو احسن تر اور اعلیٰ خصایص کے سانچے میں ڈھالا ہے پھر اسے لوٹا دیا ہے ہم نے پستی کی حالت والوں سے بھی زیادہ پستی کی طرف۔آیت کریمہ کی طویل گفتگو سے قطع نظر ایک بات خاص طور پر لائق توجہ ہے کہ دراصل انسان کی ترکیب میں تمام تر خصائص کائنات جمع کر دیئے گئے اور انسان اپنی فطری بلندیوں میں عظیم تر ملکات عالیہ کا عجیب و غریب مرکب ہے انہیں سربستہ راز طاقتوں اور ملکات عالیہ کے روبراہ کرنے کے لئے اسلام اور قرآن نے ایمان اور عمل صالح کے اجزائے ترکیبی کو شامل کیا ہے کہ ان کے بغیر خصائص

انسانی کی گراں بہا قدروں میں توازن نہیں پیدا کیا جا سکتا اور کوئی انسان انسان کامل کے روپ میں نمایاں نہیں ہوسکتا۔ انسانی فکر وعمل کا کوئی گوشہ ہو اور اختیار وقبول کا کوئی زاویہ ہو صحت ودرستگی کی راہ جو خطرات ومہالک سے یکسر پاک وصاف ہے اور جہاں صرف انسانی کی معراج ہی معراج ہے اور زوال کا کوئی نشان نہیں وہ خالص اسلامی طرز زندگی ہے۔

قرآن کریم نے تکمیل انسانیت کی اسی اصل عظیم اور مراتب ارتقائے انسانی کے انہیں تابناک نقطوں اور زاویوں کو خالص اسلامی زندگی سے تعبیر کیا ہے ان کے بیدار اور اجاگر کرنے کے آلات کار یہی مقررہ زاوئے اور نشانے ہیں۔ اصطلاحات قرآنیہ کے یہی ہدایت آثار گوشے ہدایت، قلب سلیم، بصیرت، عمل صالح، اسوۂ حسنہ، اور معراج ایمانی، کے مختلف بابرکت اشارات سے تعبیر فرمائے گئے ہیں۔ بڑی حد تک ایک مومن کے دل ودماغ اور بصیرت وبلوغ کے پیش نظر موجودہ تمام تر جماعتی اضحلال اور قومی تباہ کاری وبربادی اور جانی ومالی اتلاف وضیاع کے حقیقی اسباب ووجوہ یہی ہوسکتے ہیں کہ مسلمانوں نے صدیوں سے خالص اسلامی زندگی کو خیرباد اور خارج از فکر وعمل قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ مسلمان ایک عالمگیر سرمایہ انسانیت کی حیثیت سے اگر اپنے مرتبۂ خیر امت کے تحفظ سے بے نیاز نہ ہوجاتا تو دنیا کی کوئی طاقت اور قوت کی کوئی سازش اس کو برباد ومنتشر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

موجودہ حالات کے پیش نظر جن سے عام طور پر ہم دوچار ہورہے ہیں۔ ارباب دانش وبینش کی عظیم ذمہ داریاں ان کے ناخن تدبیر کی عقدہ کشائیوں سے اپیل کررہی ہیں کہ وہ وقت کے نمائشی اور رسمی زاویہ فکر ونظر کو پامال کرکے خالص اسلامی زندگی کے احیا کا سروسامان کریں ورنہ مسلمانوں کی اس ذہنی ابتری اور وقتی انتشار آگیں پریشانیوں نے اگر ہلاکت وبربادی کی راہ اختیار کی تو یقیناً اس کی عظیم ذمہ داری انہیں لوگوں پر ہوگی۔

کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المداھن فی حدود اللہ والواقع فیھا مثل قوم

استھموا سفینة قصاربعضھم فی اسفلھا وما
ربعضھم فی اعلاھافکان الذی فی اسفلھا یتمرد
بالماء علی الذین فی اعلاھا فتازوابه فاخذناساً
فجعل ینقه فی اسفل السفینة فاتواهُ فقالوا مالک
قال تاذیتم بی ولابدلی من الحیاء فان اخذ واعلیٰ
یدیه انجوه ونجوانفسھم وان ترکوه اھلکوه
واھلکوانفسم۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے احکام وقوانین کے ابلاغ واظہار میں مداہنت اور تساہلی کرنے والوں کی مثال اوران لوگوں کی مثال جوان کی تعمیل میں غلطی وغفلت کا ارتکاب کرتے ہیں اس قوم کی سی ہے جس کی دو پارٹیاں کسی جہاز کے حصوں کو آپس میں تقسیم کرلیں۔ کچھ لوگ نچلا حصہ لے لیں اور کچھ لوگ بالائی حصہ جہاز کا اپنے زیر تصرف رکھ لیں پھر اس دریائی سفر میں نچلے درجوں والے ضرورتاً پانی لینے کے لئے اوپر آئیں لیکن اوپر والے افراد نیچے والے ضرورت مندوں کی آمد کو مداخلت بے جا سمجھیں اوران کی وجہ سے زحمتیں محسوس کریں نتیجۃً ازرہ بدولی وجذبہ انتقام نیچے والے اس مشتر کہ جہاز کے حصوں میں سوراخ کرنے لگیں اس خطرناک صورت حال سے گھبرا کراور خائف ہوکراوپر والے نیچے والوں سے بلندی سے اتر کر زیریں حصہ جہاز میں آکر پوچھیں اور کہیں کہ ارے بھائی یہ تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو اتنی ہلاکت آفریں بات کا ارتکاب کررہے ہو۔ تمہاری یہ نااندیشانہ حرکت تو ہمیں اور تمہیں دونوں کو لے ڈوبے گی۔ جہاز کے نچلے حصوں میں سفر کرنے والے جواب دیتے ہیں کہ جب تم نے ہمیں اپنے مہلک طرز عمل سے اذیت وتکلیف میں مبتلا کردیا اور مفادات سے چشم پوشی اختیار کرلی اور ہماری ہلاکت کا سبب بننے لگے تو پھر ہم لوگوں کے لئے دوسری کون سی صورت باقی رہ گئی تھی۔ افسوس اگر اس سفینہ کے بالائی حصہ والے اپنے زیریں حصہ والے بھائیوں کی بقاوتحفظ مفادات کی

راہ میں دست گیری و رہنمائی کرتے تو اپنے ماتحت بھائیوں کو بھی اور اپنے کو بھی تباہی و بربادی اور آفت و مصیبت سے نجات دے لیتے لیکن یہ لوگ اپنی خودغرضانہ مفاد پرستی اور غفلت کے مہلک نتائج کا شکار غریبوں کو بھی بنائیں گے خود بھی ہوں گے۔

حدیث مقدسہ کا تمام تر سیاق و سباق جن تمثیلی قدروں کو اجاگر اور آشکار کر رہا ہے اسلامی معاشرہ کی خالص تہذیب و تشکیل میں اس مقدس روشنی کو شمع راہ کا درجہ حاصل ہے۔ اسلامی زندگی کے مکمل طور پر رو براہ لانے اور اس کے احیا کا از سر نو بندوبست کرنے میں بڑی حد تک علماء صلحا اور مشائخ کرام کا پُرخلوص جہاد از بس ضروری ہے اور لازمی ہے۔ حالات کے خطرناک تقاضوں کو اتفاقی حادثات سمجھ کر اگر مسلمانوں کی بروقت خالص اسلامی حقائق و ہدایات کی روشنی میں رہنمائی نہ کی گئی تو نہیں کہا جا سکتا کہ عام طور پر معاشرتی رجحانات کس سمت کو اپنا رخ موڑیں گے اور ان سے کیا سنگین نتائج پیدا ہوں گے موجودہ حالات میں مناسب توازن و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے الیکشن بازانہ انداز میں یا سیاسی ہلڑ بازیوں کی اسپرٹ میں مسلمانوں کے لئے کوئی اصلاحی اقدام نہ پچھلے دنوں میں مفید ثابت ہوا تھا اور نہ اب اس سے کوئی اصلاح پذیر نتیجہ مرتب ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے طرز اصلاح و تبلیغ سے استفادہ کیا جائے۔ ٹھوس اور موثر طریقوں سے مسلمانوں میں اسلامی طرز فکر کو اجاگر کرنے کی صورتوں پر عمل پیرا ہو کر مخلصانہ جدوجہد کا احیا کیا جائے اور یہ سر سے کفن باندھ کر ہی کیوں نہ کرنا پڑے لیکن اس سے جی چرانا عظیم تر اسلامی جرم کے مترادف ہوگا۔

زاویہ فکر و نظر میں خالص اسلامی بلند حوصلگی کا احیا اور اس کا سراغ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کا مصلحانہ تتبع اور خلفائے راشدین و ائمہ اہل بیت کی دینی عزیمت و پامردی کی بے مثال للٰہیت و حق پرستی اب بھی مسلمانوں کی ساری ذہنی پریشانیوں اور اخلاقی و معاشرتی تباہ کاریوں کو دور کر کے مسلمان قوم کو ترقی خوش حالی اور اسلامی حد پرواز کی باعزت معراج سے ہم کنار کر سکتی ہے۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مسلمان اور عمل

قانونِ الٰہی کی عالمگیر صداقت یہ ہے کہ ہر فرد اور ہر جماعت کو ویسے ہی نتائج ملیں گے جیسے کچھ اُس کے اعمال ہوں گے۔

افراد کی طرح جماعتوں کی موت وحیات کے لئے بھی مقررہ قوانین ہیں اور اُن کے احکام اٹل ہیں۔ جب ایک جماعت کا شد وفساد اُس حد تک پہنچ جاتا ہے جو جماعتوں کے لئے ٹھہرادی گئی ہے تو پھر ظہورِ نتائج میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ اگر حقیقت کے رمز شناس ہو تو پالو گے کہ زندگی کے ہر گوشے میں جنت ودوزخ کی تقسیم کا یہی حال ہے جسے ہم عمل اور بے عملی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

قرآن نے انسانوں کی ساری محرومیوں اور کامیابیوں کی تصویر صرف دو لفظوں کے اندر کھینچ دی ہے۔ سعادت اور شقاوت، جسے ہم عمل اور بے عملی سے تعبیر کرتے ہیں۔

انسان کو جتنی بھی ٹھوکریں لگتی ہیں، بے راہ ہو جانے سے لگتی ہیں۔ ہر گوشے میں

کامیابی وسعادت کی ایک مقرر راہ ہے، جونہی اُس سے قدم بے راہ ہوئے شقاوت میں گر گئے۔

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اعلان کلمۃ الحق کا وہ نازل ترین زمانہ جب جنابِ موسیٰ فرعون جیسے سرکش ومتمرد انسان کے پاس پیغام حق کی تبلیغ کا عزم بالجزم لے جا کر جاتے ہیں، تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرے گا کہ قانونِ الٰہی کی وہی تقسیم وہاں بھی کارفرما تھی جسے ہم سعادت وشقاوت اور عمل و بے عملی (یا بدعملی) سے تعبیر کر رہے ہیں۔

قرآن نے جابجا سچائی کو حق اور انکار وسرکشی کو باطل سے تعبیر کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ صداقت وعمل کا خاصہ ثبات وقیام ہے اور ان کار و گمراہوں کے لئے موت اور ہلاکت ہے۔

فرعون جیسے لعالٍ فی الارض کے مقابلے کے لئے مٹھی بھر کم سن افراد جو غلامی و محکومی کی زندگی بسر کرنے سے عاجز آ کر اپنے جاں باز مصلح (اور پیغمبر حضرت موسیٰ) کے ساتھ صداقتِ عمل کے راستے میں قدم اُٹھاتے ہیں اور اُن کے بعد تمام قوم اُن کے پیچھے آنکلتی ہے۔ جب کبھی کوئی محکوم وافتادہ جماعت اُبھرتی ہے، غلامی کی زنجیر پاؤں سے نکال پھینکنا چاہتی ہے اور اپنی حالت سنوارنا چاہتی ہے تو مستبد قومیں اسے بغاوت سے تعبیر کرتی ہیں۔ یہی ہوا اُن جوشیلے اور آزادی کی جدوجہد میں نہ گھبرانے والے نوجوانوں کے ساتھ جنہوں نے حضرت موسیٰ کا ساتھ دیا تھا اور بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیر سے رہا کرانے کے متمنی تھے۔ لیکن کیا ہوا، دنیا نے دیکھ لیا، کہ شقی فرعون کی شقاوت کی بنیادیں کس طرح اُن کی قوتِ عمل نے کھوکھلی کر دیں، اور آخر بنی اسرائیل کو آزاد کر کے فرعون کی عمارت وسطوت کی ایک اینٹ بھی باقی نہ چھوڑی۔

اگر حقیقت کے رمز شناس ہو تو پالو گے کہ زندگی کے ہر گوشے میں صرف یہی ایک قوتِ عمل ہے جو ادنیٰ کو آن کی آن میں اعلیٰ بنا چھوڑتی ہے اور یہی شقاوت وگمراہی ہے جو اعلیٰ کو ادنیٰ کئے بیٹھی ہے۔ جب کسی گروہ میں عمل اور حقیقت کی روح باقی نہیں رہتی تو وہ ارتکابِ معاصی میں دلیر ہو جاتا ہے اور عمل کی جگہ محض خوش اعتقادی کے خود ساختہ سہاروں

پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ یہی حال یہودیوں کا بھی ہوا جو سمجھنے لگے تھے کہ ہم خدا کی پسندیدہ اُمت ہیں، آتشِ دوزخ ہم پر حرام کردی گئی ہے۔

یاد رہے کارخانہِ ہستی کی فطرت میں بقاء انفع کا قانون کام کر رہا ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝۱۷ (پ: ۱۳، الرعد ۱۷)

(سو وہ جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر اور جو کام آتا ہے لوگوں کے سو باقی رہتا ہے زمین پر۔ اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں)

وہی چیز باقی رہے گی جو انفع ہے۔ جو انسانوں کو فائدہ پہنچانے والا عنصر یا انسان نہیں ہے یا فائدہ پہنچانے کے بجائے صرف فائدہ لینے والا عنصر یا انسان ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے بعض مقامات پر ''قضاء بالحق'' سے تعبیر کیا ہے۔

غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ جس وقت سے نوع انسان کی تاریخ معلوم ہے یہ قانون الٰہی جاری وساری ہے۔ یہ دنیا دار العمل ہے، ہر فرد اور گروہ کو اُس کے عمل کے مطابق نتیجہ ملتا ہے۔ عمل اور نتیجہ، قرآن نے دو لفظوں میں سب کچھ کہہ دیا۔ جب کوئی قوم ایفائے عہد میں پیچھے رہ جاتی ہے تو قانونِ مجازات بھی پاداش وعقوبت کی طرف لوٹ جاتا ہے، اِسی طرح جیوں ہی کسی نے برائی کی طرف رخ کیا، نتائجِ عمل کا قانون بھی پاداش و عقوبت میں سرگرم ہو گیا۔ عمل اور نتیجہ دو ایسی لازم وملزم چیزیں ہیں جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ نتیجہ عمل کا سایہ ہے۔ ہر انسان اور ہر گروہ اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے۔ صدہا نصوصِ قرآنی اس پر دال ہیں کہ دنیا میں ہر بدعمل گروہ کو اُس کے اعمالِ بد کی پاداش کا مل جانا ضروری ہے، خواہ ہلاکت کی صورت میں ہو یا کسی عذاب کی صورت میں اور یاد رکھو کہ بے عملی بھی بدعملی کا ہی ایک رُخ ہے......!!

(مطبوعہ الجمعیت، دہلی)

✿ ✿

Muqalat-e-Maulana Shahoodi

(Collection of Printed Articles of Hazrat Maulana Mohammad Anwarul Haque Shahoodi Nazish Sahsarami)

Compiled by

Fardul Hassan Fard

Eram Publishing House
Dariyapur, Patna - 800 004

ISBN 978-81-925813-3-0
9 788192 581330